پانچ ہزار روپیہ معہ جبنہ کے واپس کر دیئے۔ رباعی یہ ہے۔

اے بندگیت سعادت اختر من
در خدمت تو عیاں شدہ جوہر من

گر جبنہ خریدنی است پس کو زر من
ور نیست خریدنی بزن بر سر من

عالی کی ہجوؤں کا پایہ اسقدر بلند ہے کہ اُن کا جواب اُن کے معاصرین یا
یا متقدمین کے یہاں نہیں ملتا۔ اسمیں شک نہیں کہ ایران میں سیکڑوں ہجو گو اور
ہزال گزرے مگر نعمت خان عالی نے جو طرز خاص ایجاد کیا اسکا کسی دوسرے
شاعر کے یہاں نشان بھی نہیں ہے۔ لطف یہ ہے کہ اگر اُن ہجوؤں کو متانت کے
لحاظ سے دیکھئے تو بھی اُن کا پایہ اتنا ہی بلند ہے اور اگر مسخرگی اور ہزل کی نوعیت
سے ان پر نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا مسخرہ بھانڈ بھی ان کا
مقابل نہیں ہے۔ وہ ظرافت یا ہجو میں صرف ہزل اور مسخرگی اور الفاظ سے کام
نہیں لیتے بلکہ ہمیشہ اس میں انتہائی معنی آفرینی کا خیال رکھتے ہیں۔ چنانچہ انھوں
نے ایک قطعہ جو کامگار خاں پسر جعفر خاں وزیر کی کتخدائی کے موقعہ پر کہا ہے
دیوان میں موجود ہے جس نے بڑے بڑے ہجو یہ قصیدوں کو شرما دیا بلکہ انپر پانی پھیر دیا
ہے۔ ہجو ظرافت ہزل کو نظر انداز کرتے ہوے جب اسکی بلاغت پر نظر ڈالتے ہیں
تو علوم کا ایک زخار دریا موجزن نظر آتا ہے۔ ایک ایک لفظ کو فصاحت و
بلاغت کا خزانہ کہا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بار دیگر کد خدا شد خان عالی منزلت
باکمال عز و تمکیں با وقار و زیب و زین

مہرہ در ششدر بیفتد گر گشادی رو دہد
میزند بر تختہ از ترس حریفاں کعبتین

زاد راہے در سفر بر داشت از ساق عروس
ماند آنہم ہمچناں بر گردنش مانند دین

نفقہ و کسوت بسر افتاد و نگرفتہ جہاز
قد رجع من جانب البلدہ بخفی الحنین

ان سند از جبر آورد ایں سند از اختیار
ایں سخن ہم درمیاں ماند است امر بین بین

زاں طرف خفتن نہ باشد زیں طرف بر خاستن — شرطہا شد وقت ایجاب و قبول از جانبین

گفت بہر من جہاز آوردہ کاید بکار — گفت آرے ہم جکش آوردہ ام ہم کلبتین

گفت خان البصر مفتاح الفرج را ساکن است — کثرت استعمال مفتوحش کند اے نور عین

گفت زن شد جزم چشم نیست شد و مد جزر — در محالات است فتح الیاس حذا الراحتین

گفت دخلے میکنم بشنو دو قسم آید حلول — ہست سریانی و طریانی بنا بر مذہبین

گفت تو شکل عروس از ہندسہ کر خواندہ — ضع عمود اً فی المثلث تاما ً بالنقطتین

گفت من در انتظار ساعتم معذور دار — شمس طالع زہرہ راجع ماہ باید در بطین

از طبیبے ہم دوائے خواستم نادیدہ گفت — از برود تہائے تو پیداست ضعف کلیتین

ساخت زعفرانی زخولنجان جوز و زنجبیل — تو دری و دار فلفل سعد قسط و بہمنین

گفت نے اینہا نمی آید بکار از من شنو — چارہ ات فصد و حجین و کی صد غلقتین

حجلہ ام را مدرسہ کردی تو اے خانہ خراب — ہم زباں آمد بدرد از گفتگو ہم گوشتین

دخلہا در موشگافی کار ملازادہ است — تو بحث اللفظ واعظ گشتہ چوں ملا حسین

یہ پورا قطعہ نہیں ہے۔ بعض اشعار اس سے نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔ اسکی شرح بھی ایک مرتبہ میری نظر سے گزری تھی۔

شیخ در خواب دید شیطاں را — رہزن دین و دزد ایماں را

از صفا بسکہ دل چو آئینہ ساخت — آں لعیں را ہمیں کہ دید شناخت

بملامت عتاب پیش گرفت — بر سرش زد بمے دریش گرفت

کہ چہا میکنی تو اے مردود — شدہ از درگہ خدا مطرود

ہم دیگر چو شیخ بردبکارہ — شد ازاں ضرب دست خود بیدار

چوں ترش ز خواب شیریں جست — دید ریش خودش بدست خود است

قلعہ گولکنڈہ کے محاصرہ کے وقت عالمگیر کو جب دقتیں پڑیں اور طرح طرح

کے نقصان اٹھائے یہاں تک کہ لشکر بے سر و سامان ہو گیا۔ تو نعمت خان عالی کے لئے ایک سامان تفریح ہاتھ آگیا اور اس نے طرح طرح کے قصیدے لکھے جنیں سے بعض اشعار منتخب کر کے لکھے جاتے ہیں۔

الہٰ است اللہ و رحماں خدائے ۔۔۔ گر او کند رحم بر فوج شاہ
رحیم است و غفار آمرزگار ۔۔۔ ندانم چہ شد حصۂ ایں سپاہ
رجل مرد و مراۃ زن و زوج جفت ۔۔۔ جدا گشتہ از یکدگر سال و ماہ
ملک بادشاہ جند لشکر بود ۔۔۔ براں ضحک و خندہ بریں قہ قاہ

پیست عنقا روپیہ کبریت احمر اشرفی ۔۔۔ کیمیا نوکر شدن یک ہفتہ پیش بوالحسن
فقر و فاقہ غایۂ دعسرت صبوری انتظار ۔۔۔ انچہ باشد نوکراں بادشہ را در دکن
ممتنع معدوم دیں ہر دو بطر زلف و نشتر ۔۔۔ دانہ کاہ و دواب و نفقہ فرزند و زن
الثقیل و الغائط آبے کہ درین لشکر است ۔۔۔ الاجل حکم طبیباں المرض احوال تن
لم یقع چہ فتح قلعہ لم یکن یعنی یورش ۔۔۔ سہو سیبہ لہو زینہ لغو توپ انداختن
صدق آں حرفے کہ ہر گز کس نگفت باشد گفتنی ۔۔۔ کذب گفتارے کہ سازد مایہ دار و موتمن
فلفسی آنکس کہ میگوید خلا باشد محال ۔۔۔ در خزانہ گر رود ہرگز نگوید ایں سخن
یا و لاوِ ان و لن چوں لم حروف نافی اند ۔۔۔ میکنند اینہا عمل در دفتر بخشی تن
من و عن با و الی احتی و فی جر میکنند ۔۔۔ لیاک انو قتے کہ کار افتد بدیوان دکن
کان صار اصبح و امسی افعال ناقص اند ۔۔۔ ہمچو تدبیرات و تسخیرات در ملک دکن

دریں ملک خراب امروز کس را نیست سامانے ۔۔۔ چو گنج افتادہ اند اہل ہنر در کنج ویرانے
بسر حدے رسیدہ خلق را افراط ناداری ۔۔۔ کہ معنی ہم ندارد ایں زباں حرف سخندانے

سپاہی ہم بمیدان قناعت میکند جولاں ۔۔۔ زشمشیر و سپر دارد دم آبے لب نانے

طبیب از علم طب دریا و بیدار دہمیں معنی ۔۔۔ نباشد خوب تر از شربت دینار درمانے

منجم را نشد غیر از فلاکت از فلک حاصل ۔۔۔ ز ضعف جوع بیند قرص مہ را گردۂ نانے

وبس عطار مشتاق است قوت لایموتی را ۔۔۔ بچشمش آش و ناں آید چو بنویسند اشنانے

نباشد آنقدر سرمایہ ہم جراح مسکیں را ۔۔۔ کہ بر زخم دل خود سرنگوں سازد نمکدانے

چو طفل نے سوار از بہر روزی میدود کاتب ۔۔۔ ز کلکاک خود کمیتے دارد و از صفحہ میدانے

محاسب سال را بنوشت ماہ روزہ در دفتر ۔۔۔ برائے اینکہ معلومش نشد شوال و شعبانے

زحیرت گفت قاری من کلو میخواندہ ام یارب ۔۔۔ نخواندم ہیچگہ لاتاکلوا در ہیچ قرآنے

وریں لشکر بہانم یار دم باخویش می سنجد ۔۔۔ نماندہ در دکاں بقال را جز سنگ و میزانے

زگڑیالی یکے پرسید از روزت چہ ماند آیا ۔۔۔ بگفت احوال گر ایں است بہر ساعتے آنے

صدائے ماتمے از خانہ برخاست پرسیدم ۔۔۔ چہ شد گفتند در ایں خانہ دارد گشتہ مہمانے

زجائے غلغلہ شادی شنیدم گفت ہمسایہ ۔۔۔ کہ شخصے دید شب در واقعہ پر آرد انبانے

اسی طرح قصائد اور نظموں میں جابجا شاہ عالمگیر کی تدبیروں اور اُس کے لشکر وغیرہ پر پھبتیاں کہی گئی ہیں نثر میں بھی اُن کی ظرافت قابل داد ہے ۔ نعمت خان عالی نے سنہ ۱۱۲۱ء میں حیدر آباد میں انتقال کیا۔

عارف محمد عارف نام تھا۔ دلی کے رہنے والے کشمیری الاصل میر و میرزا کے معاصر شاہ مبارک آبرو کے شاگرد تھے۔ رنگ زمانہ کے موافق کبھی کبھی ظرافت میں بھی شعر کہتے تھے ایک شعر مل سکا۔

درخت رز سے کہو کہ آن ملے

ورنہ عارف افیم کھاتا ہے

عاجز۔ کمترین کے شاگرد تھے اور میر تقی میر کے معاصر۔ اسی زمانہ میں ایک شخص حافظ عبدالحلیم نامی تھے جنکی شاعری بو اسحاق اطعمہ کی طرح صرف کھانوں کی تعریف میں ہوتی تھی اور اسمیں ظرافت کا نمک مرچ لگا دیا کرتے تھے کبھی ظرافت گویوں کو بلا کر مشاعرہ بھی کرتے تھے۔ ان کے یہاں عاجز بھی شریک ہوتے تھے۔ چونکہ عاجز خود ایک اوباش مزاج رند لاابالی تھے۔ اس لئے حافظ حلیم سے خوب بنتی تھی۔ میر تقی میر نے نکات الشعرا میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی کوئی مصرع اچھا بھی کہہ لیتا ہے۔ ایک شعر نمونۂ ظرافت مل سکا۔

دل لعل مارے لئے جاتے ہیں سب مکتب کے طفل　　شیخ سعدی تم بھی اب لیکر گلستاں دوڑیو

عبید زاکانی۔ قزوین کے نواح زاکان کا رہنے والا آٹھویں صدی ہجری کا نہایت مشہور و معروف خوش مذاق نقاد۔ ظریف۔ شاعر۔ ادیب بلکہ مورخ۔ نظام الدین عبیداللہ نام تھا۔ عبید زاکانی کے نام مشہور تھے۔ شاہ ابو اسحق انجو کے زمانہ میں شیراز میں تعلیم پائی۔ اور ضروریات زمانہ کے موافق تمام درسیات سے فراغت حاصل کی۔ ازاں بعد زاکان میں آئے اور عہد قضا پر مامور ہوے۔ چونکہ اس زمانہ میں ترکوں کا بڑا عروج تھا۔ اور تمام ایران انھیں کی حکومت سے متاثر تھا دل کی خواہش کے مطابق کسی فرد بشر کو آزادی نصیب نہ تھی۔ اسی حالت نے عبید زاکانی کے دل میں درد پیدا کیا۔ اور ایک کتاب موسوم بہ اخلاق الاشراف لکھی۔ جو ایک لغت کے طریقہ پر تھی۔ اور اس کے الفاظ لغات سے اُس پر آشوب عہد کے تمام حالات ناظرین کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ چنانچہ نمونہ کے طریق پر چند لغات درج کئے جاتے ہیں"

العالم۔ بیدولت + الجاہل۔ دولت یار + الجواد۔ درویش + الخسیس مالدار

النامراد۔ طالب علم + المتحبب۔ دوزخی + الشاعر۔ طامع خودپسند + العطار

جو سب کو بیمار دیکھنا چاہے + المحروم - وہ ہوشیار جو مستوں کی مجلس میں بیٹھے + القلتبان - سسر + البکارت - اسم بامسمٰی + الجلق - دستگیر مفلساں + المشرف - چور + الکلب الاکبر - وہ مولوی جو کسی امیر کبیر کا ملازم ہو + العس - جورات کو ڈاکہ مارے اوروں کو لوگوں سے پہرہ داری کی اجرت مانگے + القاضی + جو سب پر لعنت بھیجے + الوکیل - حق کو باطل کر دینے والا + الرشوت - بیچارہ لوگوں کی کارساز + الخطیب - تقریر کرنیوالا گدھا + الواعظ - اوروں کو نصیحت آپ کو فضیحت کی مصداق + الندیم - خوشامدی + الطبیب - جلاد + المنجم - کذاب + الملک الموت - ساقی ریش دار + الہادم اللذات ماہ رمضان + الذو القرنین - دو جوروں کا شوہر + بدبخت - بڈھی عورت کا جوان شوہر + الدیوث - جوان عورت کا بڈھا شوہر + الذات الجنب - ہمسایہ + الریش غریبوں کی دستاویز + الشیخ - ابلیس + صوفی - دوسروں کی کمائی کھانے والا کاہل + الحاجی - کعبہ کی جھوٹی قسم کھانے والا + الیباکی و شیخی + شریفوں کی تجارت کا سرمایہ + الہیچ و پوچ - شریفوں کا وجود + البیمغز - شرفا کے آداب و تہذیب - الغرور و الحماقت - شریفوں کی گفتگو + الدوکان دار + خدا سے نہ ڈرنے والا آدمی + الدلال بازار کا مستند چور + الشراب - بے چینی اور اضطراب کا چشمہ + بھنگ - صوفیوں کو حال میں لانے والی دوا + الزندہ دل - شراب اور بھنگ دونوں کا استعمال کرنے والا + النوجوان - بڈھوں کی ڈاڑھی پر ہنسنے والا + اللایعنی - صاحب خانہ کی زندگی + البدنصیب آوارہ لڑکی کا باپ + الحریف - صاحب خانہ کا بھائی + الخوشی بعد الغم - طلاق ثلاثہ + الخانم - بہت سے عاشقوں کی معشوقہ + البیگم - معدودے چند عاشقوں کی چہیتی + الپاکباز - ایک عاشق پر اکتفا کرنے والی عورت -

غرض کہ یہ تمام لغت اسی قسم کے لغات پر مشتمل ہے - مذاق کے پیرایہ اور ظرافت کے پردہ میں - قوم کی بگڑی ہوئی حالت - مظلومی اور بدچلنیوں بدقماشیوں کی

تصویر کھینچدی اور اس کو تاریخ کی صورت میں لے آئے ہیں۔ اور بہت سے مورخوں نے اس کو پسند کیا ہے۔ یہ طرز غالباً عبید زاکانی ہی کی ایجاد ہے۔ جسکا اتباع ملا دو پیازہ۔ اور جعفر زٹلی نے بھی کیا۔ نعمت خان عالی اسکو نظم کے سانچے میں ڈہالا راقم الحروف نے بھی ایک کتاب لغات الظرفا نامی اسی انداز میں لکھی ہے۔ مگر اس سے ذرا اچھی ہوئی ہے۔ کیونکہ اب سے پہلے عبید زاکانی کی اس کتاب کو میں نے نہ دیکھا تھا اسوجہ سے لغات الظرفا میں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ انشاء اللہ آئندہ اضافہ کردوں گا۔

عبید زاکانی نے اس قسم کی کئی کتابیں لکھیں۔ جو اب اکثر نہیں ملتی ہیں اُنکے ظرفا کے زمرہ میں شامل ہونے کے وجوہات مورخوں نے جو کچھ بیان کئے ہیں۔ ان میں یہ ہے۔ کہ عبید نے ایک رسالہ علم معانی و بیان میں لکھا تھا اور خواہش تھی کہ بادشاہ وقت کی نظر سے گزرے۔ مگر عیش پرست بادشاہوں کے یہاں سوائے مسخروں کے علم و دانش کی باتوں کا کیا کام ہے۔ اسی لئے وزرا اور امرا نے عبید کی سعی اور کوشش کو بادشاہ تک نہ پہنچنے دیا۔ یا پہونچی تو بیکار رہی اور کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ عبید نے زمانہ کی ہوا کا رخ دیکھ لیا اور نہایت افسوس کے ساتھ یہ قطعہ کہا۔

اے خواجہ مکن تا بتوانی طلب علم ۔۔۔ کاندر طلب راتب بہر روزہ بمانی
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز ۔۔۔ تا داد خود از مہتر و کہتر بستانی

اس کے بعد ظرافت اور ہزل کی طرف جھک پڑے اور ایسے جھکے کہ اسی میں عمر گزار دی۔ اب ان کا کلام شائع ہو گیا ہے چند شعر نمونتًا درج کرتا ہوں۔

در علم و ہنر چو من مشو صاحب فن ۔۔۔ تا نزد عزیزاں نشوی خوار چو من
خواہی کہ شوی قبول ارباب زمن ۔۔۔ کنگ آور و کنگری کن و کنگرہ زن

شاہ ابو اسحق انجو کے معزز وزیر امین الدین نے ایک عورت جہاں خاتون نامے

سے شادی کی تو عبید زاکانی نے یہ قطعہ کہا۔

وزیرا جہاں قحبہ بیوفاست ... ترا از چنیں قحبہ ننگ نیست
فراخی دگر را بخواہ ... خدائے جہاں راجہاں تنگ نیست

لطیفہ۔ ایک مرتبہ خواجہ سلمان کو عبید زاکانی کی شہرت اور خوش طبعی پر رشک ہوا تو ایک قطعہ نظم کیا۔

جہنمی و ہجاگو عبید زاکانی ... مقرراست بہ بیدولتی و بیدینی
اگرچہ نیست ز قزوین و روستازاوست ... ولیک میشود اندر حدیث قزوینی

شدہ شدہ یہ خبر عبید کو بھی پہونچ گئی زمانہ مساعد نہ تھا۔ مجبوراً خاموش رہا۔ ایک مرتبہ اتفاق ہوا کہ عبید کہیں جارہا تھا ایک دریا پر پہونچا۔ جہاں خیمے پڑے ہوئے تھے۔ نوکر چاکر ادھر ادھر اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ کنیزان ماہرو اپنی اپنی خدمات میں سرگرم دوادوش تھیں۔ غریب عبید نے یہ تزک واحتشام دیکھکر دریافت کیا کہ کون یہاں اترا ہوا ہے معلوم ہوا کہ خواجہ سلمان ہیں۔ یہ تو سُن ہی چکے تھے کہ خواجہ صاحب کے خیالات میری طرف سے اچھے نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی ہمت کی اور خواجہ صاحب کی بزم سرور میں پہونچ گئے۔ خواجہ نے پوچھا کہ کیوں بھئی کون ہو کہاں سے آئے ہو۔ انھوں نے کہا کہ قزوین سے آتا ہوں۔ کہا کہ خواجہ سلمان کا نام تمنے سنا ہے۔ جواب دیا کہ جی ہاں۔ کہا کہ کچھ اسکا کلام یاد ہے۔ کہنے لگے ہاں۔ کہا کہ سُناؤ۔ عبید نے یہ دو شعر پڑھے۔

من خراباتیم و بادہ پرست ... در خرابات مغاں عاشق و مست
می کشندم چو سبو دوش بدوش ... می برندم چو قدح دست بدست

یہ شعر پڑھکر کہا کہ میں نے سنا ہے خواجہ سلمان ایک فاضل متبحر ہے۔ لیکن اُسنے

یہ شعر کیوں کہے ہوں گے - میرا خیال ہے کہ یہ شعر اسکی بیوی نے کہے ہیں - خواجہ سلمان نے یہ سنتے ہی پہچان لیا - کہ ہو نہ ہو یہ عبید زاکانی ہے - پہلے تو یہی پوچھا کہ کیا تم عبید ہو پھر قسم دلائی - جب بہت مصر ہوا تو عبید نے اقرار کیا - اور نہایت غصہ ہو کر کہا کہ بغیر دیکھے کسی کی ہجو کرنا علما کا شیوہ نہیں ہے - واللہ صرف آپ ہی کے ملنے اور آپ کے کیفر کردار کی سزا دینے کے لئے میں بغداد جا رہا تھا - اچھا ہوا کہ آپ یہاں مل گئے - خواجہ سلمان نے بہت معذرت کی - اور بات گئی گزری ہو گئی - اس کے بعد دونوں ہمیشہ دوست بنکر رہے -

مردم بہ عیش خوشدل و من مبتلائے قرض | ہر کس بہ عیش شغلے و من در بلائے قرض
قرض خدا و قرض خلائق بہ گردنم | آیا ادائے فرض کنم یا ادائے قرض
در کوچہ قرض دارم و اندر محلہ قرض | در شہر قرض دارم و اندر سرائے قرض
عمرم چو آبروئے گدایاں بباد رفت | از بسکہ خواستم ز در ہر گدائے قرض
گر خواجہ تربیت نہ کند مر عبید را | مسکیں چگونہ باز رہد از جفائے قرض

افسوس کہ زیادہ - اشعار زیادہ تر فواحشات تک پہونچتے ہیں لہذا قلم انداز کرتا ہوں -

---

فتحی - نام فتح اللہ تھا - ہرات کے رہنے والے تھے - ہزل اور ہجو کی طرف طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا - ملا مشفقی کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی -

اے مشفقیک چوں تو پرداختہ ایم | با اشتر خود ترا قریں ساختہ ایم
او گوز ہمیزند تو میگوئی شعر | او را بتو در بدیہہ انداختہ ایم

سوختہ - گیا کے رہنے والے ضمیر الدین نام منشی امیر اللہ تسلیم مرحوم کے نہایت

مشہور و معروف اور ممتاز شاگردوں میں ہیں۔ عربی فارسی کی لیاقت بقدر ضرورت شعر کافی ہے۔ اکثر غزلیں رسالوں وغیرہ میں چھپتی رہتی ہیں۔ عرش صاحب کی عمر اب پچاس پچپن برس کی ہوگی۔ گو مجھکو یہ نہ معلوم تھا کہ آپ ظرافت کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں۔ مگر ایک غزل مطبوعہ اسی رنگ میں اودھ پنچ سابق سے دستیاب ہوئی جن کے ساتھ کچھ ظریفانہ عبارت بھی ہے۔ بجنسہ نقل کرتا ہوں وہو ہذا۔

مرزا اودھ پنچنا۔ روایت صحیح ہے کہ ایک روز ہیچمدان صبحدم بعد فراغت نماز سحری بیٹھا محو دعاے اصلاح قوم تھا کہ پچھم کی جانب سے ایک بسکھوڑا پڑا نا پختہ ڈہیلا قوال ہاتھ میں سنہری سہانی چوڑیاں پہنے لباس زنانے میں ستار ئیے ہوے اک بظاہر مرد طرحدار کے جو فی نفسہ زن مکارہ و عیارہ تھی آدھمکا اک عبرت سی ہوگئی تسبیح شریف پھینک کر قریب تھا کہ پاجامہ سے باہر ہو جاتا۔ کہ یا شیخ المدد کہکر بڑی زور سے مٹھی میں دل کو جکڑ بند کر لیا وحشت دور ہوگئی اب اس قوال وزن چھبیلہ نے یوں الاپتے اور ستار ٹنٹناتے ٹنٹناتے توڑ ہی ڈالا۔ غزلچہ

شرافت تو ہے گو ہے بدکار بیوی — بھلا کھاے شوہر کی کیوں مار بیوی

نہیں اب جہاں میں وفادار بیوی — کہاں سے کوئی لاے غمخوار بیوی

کرے خاک تاکید پردے کی شوہر — نکلنے کو ہر دم ہے تیار بیوی

اگر اس زمانے میں عیاش بھی ہو — نہیں پیش خالق گنہگار بیوی

نہ کیونکر دعا موت کی مانگے شوہر — بہت آجکل ہر یہ ہے یار بیوی

اگر کھانے کپڑے کی تکلیف کچھ دو — لگادے وہیں جوتیاں چار بیوی

نیا گل کھلا ہے یہ باغ جہاں میں — کہ شوہر جو گل ہے تو ہے خار بیوی

اگر دیکھے بل ابرو نے میاں کے — تو دوڑے وہیں لیکے تلوار بیوی

مہذب گھروں کی یہ تعلیم سنیئے — نہ پابند شوہر ہو زنہار بیوی

کہا ایک ٹڑ میا سے بیگم نے ہنسکر
شریفوں کے گھر کی ہیں عیار بیوی

یقیں، کے ہے لائق فقط اسکی عصمت
گلے کی ہو شوہر کے جو ہار بیوی

طرفدار غیرو نکی تعریف جب ہے
نہ دے ساتھ شوہر کا زنہار بیوی

مبارک مبارک بلا ٹالی سر سے
جواری جوے میں گئے ہار بیوی

اگر میلے ٹھیلے میں جانے دو بیدل
تو سو بار تمکو کرے پیار بیوی

کمانے کی حاجت نہیں جب میاں کو
بلا سے جہاں میں ہو بیکار بیوی

خجالت کا دریا سوال بیچ میں ہے
ہیں اس پار شوہر تو اس پار بیوی

کرے گا اگر تیل پانی کی خاطر
رہیگی ترے گھر نہ زنہار بیوی

نہیں نوکری ملتی جب مردوں کو
نہ ہو کیوں کمانے کو تیار بیوی

ادہر نمک کے کاموں کو کیوں ملی رہتے ہیں
اُدھر جام پی کر ہے سرشار بیوی

خصم کی اطاعت نہیں فرض ہر گز
خبر دار بیوی خبر دار بیوی

میں عاشق ہوں سو جان سے تیری
ملی ہے مجھے اک طرحدار بیوی

نہ اب دانت کاٹو نہ اب رو لیس بیا
ہے دکھتا بہت ہی تن زار بیوی

تری پیٹھ پر سیکڑوں بوٹ جوتے
ترے منھ پہ لاکھوں ہی پھٹکار بیوی

عرشی - یعقوب خاں نام تھا - قصبہ بند کی ضلع فتحپور میں ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوے - آبائی وطن دہلی میں تھا - ان کے والد محمد زماں خاں اور ان کے دادا دار السلطنت دہلی میں شاہ عالم بادشاہ کے توپخانہ کے گولہ انداز تھے - جب بادشاہ موصوف کی آنکھیں نکال لی گئیں - تو اُن کے والد ترک سکونت کر کے اس قصبہ میں آرہے - عرشی مرحوم کی ابتدائی تعلیم و تربیت بند کی میں ہوئی - مگر جب ان کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا - تو یہ ضلع باندا چلے گئے - اور وہیں علوم رسمی کی تکمیل کی -

بعد تعلیم پھر بندکی واپس آئے۔ اور شاعری کا شوق ہوا۔ منشی جمیل الدین صاحب وکیل فتحپور کے شاگرد ہوئے۔ چونکہ نہایت نازک خیال اور خوش گو تھے۔ تمام معزز لوگ ان کی تعظیم کرتے اور اُن کو مانتے تھے۔ عاشقانہ شاعری بھی کرتے تھے مگر زیادہ تر نعت گوئی کا شوق تھا۔ مولانا فضل الرحمٰن شاہ گنج مرادآباد کے مریدوں میں تھے۔ اور نہایت عسرت و تنگ حالی سے بسر کرتے تھے تفنن طبع کے طور پر کبھی ظرافت کے شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ ہجوگوئی میں بھی کمال حاصل تھا کلام میں استادانہ بندشیں۔ نازک خیالیاں۔ خوبی اسلوب بیان بدرجۂ اتم ملحوظ رکھتے تھے۔ آخر وقت تک شعرگوئی کا سلسلہ جاری رہا۔ اور ۱۹۱۷ء میں بمقام بندکی انتقال کیا نمونہ کلام ظرافت و ہجویہ ہے۔

میں بند قبا کو کمربند سمجھا عجب بے تکا ہوں خدا جانتا ہے

دورنگی زمانہ سے ہم تو تباہ ہیں مونچھیں سفید ہوگئیں .... سیاہ ہیں

ایک مرتبہ کلکٹر صاحب فتحپور کو ایک ظریفانہ عرضداشت اپنی غربت و بیکسی کے اظہار کے واسطے لکھی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں۔

اس ضلع کے حضور حاکم ہیں عرض کیونکر کروں نہ اپنا حال

چھ مہینے گذر گئے کھاتے خشک روٹی و بن تگھاری دال

نہیں ہوتی نصیب ترکاری دمڑی کی مولیاں تلک ہیں محال

نیند کیا خاک آئے راتوں کو چارپائی کا ہے شکستہ حال

شور اب میری تشنہ کامی کا پانی پت سے گیا ہے نینی تال

پان کی یاد جبکہ آتی ہے مار کر اینٹ کرتا ہوں منھ لال

جوتیاں تک نہیں مقدر میں دونوں تلوؤں کی اڑگئی ہے کھال

پیسے جڑتے نہیں حجامت کو بال بھی سر کے ہوگئے ہیں وبال

چہرے کا خط بنا ہے اک دفتر	مونچھ داڑھی ہے صورت اشکال
سیہ بختی سے پھٹ گیا وہ بھی	تھا جو کمبل مرا بجائے شال
دود آہ جگر نکلتا ہے	دل کو آتا ہے حقہ کا جو خیال
گھر جو بندگی میں ہے سکونت کا	اس کی بگڑی ہوئی ہے صورت حال
ٹوٹی پھوٹی کھڑی ہیں دیواریں	بیٹھ جائینگی غالباً امسال
دن کو چھنتی ہے دھوپ ٹپکا اوس	ہیں چھتیں گھر کی صورت غربال
آندھیاں زور شور سے آئیں	اڑ کے چھپر ہونچگیا نیپال
مانگتا ہوں گھڑی گھڑی کی خیر	ہر گھڑی ہے مرے لئے گھڑیال

عرشی مرحوم کو اتفاقاً کسی وکسنیٹر سے کچھ صدمہ ہو چکا۔ پھر ان کو تاب کہاں تھی وہ وہ ہجویں لکھیں کہ توبہ ہی توبہ۔

وکسنیٹر ہے قوم کا حجام	نائیوں سے کراتا ہے .....
مارے جوتوں کے ہوگیا گنجہ	جھڑ گئے سر کے موے عنبر فام
باندھتا ہے عمامۂ کابل	فرقۂ بد معاش کا ہے امام
آکے بندگی میں بنگیا ہے شریف	باپ دادا تھے نائیوں کے غلام
اے میاں جاتے ہو جو تم گھر کو	اپنی ماں سے ہمارا کہنا سلام
نانی تیری ہے آنکھ کی کانی	جسپہ عاشق ہوے ہیں تو دے رام
اکہ والوں کی رہ کے صحبت میں	تو بھی چلنے لگا قدم شہ گام
اپنی رنڈی کو کہتا ہے مادر	کرتا ہے اس سے روز و شب بدکام

اگر دعوی ہے کسی نیٹری کا	ہمارے آگے آئے ..... کا
پڑے ہیں جوتے سر پر جھڑ گئے بال	یہی ہے مرد گنجی کھوپڑی کا

مزا زردے کا کیا جانے کمینہ　　　وہ کھانے والا ہے روٹی سڑی کا

عرشی کی ہجویں اور بھی موجود ہیں مگر وہ فحش سے قریب اور ظرافت سے دور ہیں اس لئے اور کیا انتخاب کریں مجبور ہیں۔

عرب - میرزا عرب مشہدی نام ہزل و تمسخر میں جواب نہ رکھتے تھے۔ شعرائے ایران کے دور متوسط کے شاعر ہیں۔

حیواں پرستی جان من - من اسپ و اشتر نیستم　　　پیشت ندارم عزتے فہمیدۂ خر نیستم

عزیز - سید قلندر کاشی کا تخلص ہے۔ شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ کے ایک زبردست ہزال اور ظراف تھے۔ اتفاق سے بیوی بھی شاعرہ تھی ایک روز عزیز نے یہ شعر کہا ؎

زنم را قحبہ می گفتند و من باور نمیکردم　　　بحمد اللہ نمردم تا بچشم خویشتن دیدم

عورت نے فوراً جواب دیا

زنت را قحبہ می گفتند و دیدی　　　برو بابا شتر دیدی ندیدی

عسس - بدرالدین نام تھا۔ مٹیا محل دلی میں رہتے تھے۔ نہایت بیوقوف اور مسخرے آدمی تھے اس پر آپ کی ہیئت کذائی اور بھی نزہت ناظرین تھی فلینظر الی الابل کیف خلقت کی بنی بنائی تصویر تھے۔ بدقسمتی سے شعر و شاعری کا بھی ذوق و شوق تھا۔ اس میں بھی ایک نئی بات نکالی تھی جب غزل کہتے تھے تو اس کو تین حصوں پر تقسیم فرماتے تھے۔ نر۔ مادہ۔ استادہ تذکرۂ گلستان سخن کی ترتیب سے پہلے روپوش فنا ہو چکے تھے۔ ایک شعر ملتا ہے

مگر مشتے نمونہ از خروارے سمجھکر اسی پر تمام و کمال کلام کو قیاس کر لیجئے۔

کیوں بے او حقّے چلا تھا کیا یہ جھگڑا آنکو — کس لئے آیا تھا تیرے گھر وہ مکڑا آنکو

عشاق - ایک قدیم ہندو شاعر کا تخلص ہے زیادہ حال معلوم نہیں صرف ایک شعر مل سکا۔

سر سبز خط سے ادر ہوا حسن یار کا — آخر خزاں نے کچھ نہ اکھاڑا ابھار کا

عشرت کسی ریختی گو کا تخلص ہے جن کے دو ایک شعر تو ملے مگر تذکروں میں نہ نام ملا اور نہ حالات کا پتہ چلا۔

خدا نے دی ہے کیا طاقت بوا ان جوانوں میں — ترے سر کی قسم ہوتی ہے کل سے ٹیس رانوں میں

تجھے اپنی پڑی ہے میں مری جاتی ہوں جل جل کے — موے سنتا نہیں کیا تیل ڈال آیا ہے کانوں میں

ہمیں بھی ہیں کٹے بھی ہیں مگر کچھ جوش ہوتے ہیں — یہاں تک عیب ہے عشرت یہ کابل کے پٹھانوں میں

عصمت - تخلص ہے امجد علی خاں کا جو ریختی نہایت عمدہ کہتے تھے اور حسین علی خاں لکھنوی شاگرد محمد علی خاں مسیحا کے فرزند تھے چند شعر ملے جو درج کرتا ہوں۔

جو کم سنی میں دیکھ چکی منھ ہزار کے — بیٹھے گی کب بھروسے پہ وہ ایک یار کے

بی تم نے کیوں کنوار پنے میں چبائے پان — موتی سے دانت بن گئے دانے انار کے

نرگس کی چھوکری کا وہ دیدہ ہوائی ہے — کندن کو سارا دیدیا گہنا اتار کے

نتیجہ اے بوا اچھا نہیں مردوں کی صحبت کا — کھلے گا نو مہینے بعد گل اس عیش و عشرت کا

نہ لیتی نام تک ہرگز نکھٹو کا کبھی ماما	مگر کچھ پاس ہے مجھ کو نِگوڑے بوڑھے کی عزت کا
نگوڑے شیخ نے پھر آج افیوں لیکے کھائی ہے	میں ڈرتی ہوں لو اچھر سامنا ہوگا قیامت کا
تری خاطر میں گھر سے دن دہاڑے آتی ہوں ورنہ	کسی نے آج تک آنچل نہیں دیکھا ہے عصمت کا

عطا - عطاء اللہ نام تھا عطا تخلص تھا - عالمگیر کے زمانے میں خوش و خرم دلی میں زندگی بسر کرتے تھے - دلی ہی زاد بوم تھی اور دلی ہی میں پیوند خاک ہوئے - اپنے زمانہ کے بانکوں میں تھے - اور تمام وضع قطع وہی تھی - ٹیڑھی ٹوپی لچکا ٹکا ہوا نیچی نیچی ڈھیلی ڈھیلی آستینیں - کرتے کا دامن بہت نیچا او سپر بیل لگی ہوئی - ڈاڑھی چڑھی ہوئی موچھیں بل دی ہوئی کندھے پر ایک رومال - انگلیوں میں کئی کئی انگوٹھیاں اور چھ[illegible] ہاتھ میں ایک سونٹا - میر جعفر زٹل سے ہمیشہ نوک جھونک رہتی تھی - نہایت بیباک ا[illegible] شورہ پشت تھے - ایک مرتبہ بادشاہ نے ناراض ہو کر قید کر دیا اور مدتوں تک زندان مصیبت میں اسیر بلا رہے - اتفاقاً ایک روز بادشاہ نے ایک مصرع کہا -

ع بسترم خاک و خشت بالین است

اسپر دوسرا مصرع حسب دلخواہ نہ لگتا تھا - بہت سے لوگوں نے مصرع لگائے مگر ناکام رہے - شدہ شدہ یہ خبر عطا کو بھی پہونچ گئی - کہا کہ اگر بادشاہ مجھے آزاد کریں اور اس بلا سے رہائی دیں تو ایسا ہی مصرع کہہ دوں گا - بادشاہ نے یہ شرط منظور کرلی عطا نے مصرع کہا ع یکے از سرگزشت من این است - بادشاہ نے بھی وعدہ وفا کیا - ان کا کلام بالکل جعفر زٹل کے رنگ میں ہے - میر تقی میر اور میر حسن نے ان کو اوباش وضع لکھا ہے ' نمونۂ کلام یہ ہے -

اے در نبرد حسن تو گشتہ بہ چار چشم	زیر مژہ نہفتہ چو آہو بہ چار چشم
بر فلک شب نمی طپد انجم	دل رستم ز سہم می دھڑکد

دست و پا میزند عارد در رن ہمچو پدڑی کہ در قفس پھڑکد

عقاب جناب قمر بدایونی کے ایک شاگرد ہیں - عمدہ شعر کہتے ہیں ظرافت بھی نہایت شستہ ہوتی ہے -

کہتا تھا میں کہ پردے کی مٹی ہوئی خراب بے غیرتی نے بڑھ کے دیا مجھکو یہ جواب
شرم و حیا کے ساتھ وہ دن اب گئے جناب اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع حجاب
پروانہ جان دینے کو تیار ہو گیا

وہ عورتیں کہ جنکی حیا کا نہ تھا جواب کوشاں ہیں اب کہ پردے کی مٹی کریں خراب
اتنا خیال ان کو نہیں ہے اے انقلاب اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع بے حجاب
پروانہ جان دینے کو تیار ہو گیا

اس پری سے میں نے چھپ کر کہا کہ اے پردہ نشیں غیر سے بے پردہ ہونا یہ بھی کوئی راز ہے
ہنسکے بولی اے میاں اس بات کا افسوس کیا تم بھی سمجھو کہ وہ اک آلۂ پرواز ہے

اب دیر کیا ہے آئیے مونچھیں منڈائیے داڑھی کی گھاس پھوس کو لو کا لگائیے
ڈبے کی مچھلی کھائیے وہسکی اڑائیے القصہ جسطرح بھی ہو فیشن بنائیے
جو بات اس مئی میں ہے اس جون میں نہ ہو
اک پائچہ بھی آگے کو پتلون میں نہ ہو

چھوڑی ہے اپنی وضع تو ہر بات چھوڑیے مونچھوں کی طرح ناک سے بھی منھ کو موڑیے
جوڑے ہیں پہلے ہاتھ تو اب پاؤں جوڑیے ہونٹوں کی بل سے کھائیے دانتوں کو توڑیے
بلکیں فضول چیز ہیں انکو بھی مونڈ لیے

ناحق بھویں عزیز ہیں انکو بھی مونڈیے

جدت کا جس میں دخل نہ ہو چھوڑیے وہ کام | گھوڑے کے منھ میں بھی ہو دم میں ہے لگام
ہاتھوں سے قطع راہ ہو ٹھوکرے ہو سلام | اس منھ سے اب بولئے ہے یہ طریق عام

جو چیز اس سے قبل تھی رائج وہ چھوڑئیے
عینک سے کام لیجئے آنکھوں کو پھوڑیے

عمر - دکن کے رہنے والے تھے معتبر خاں نام تھا - منصب داران شاہی میں کسی عہدہ پر سرفراز تھے - شعر و شاعری کا ذوق تھا اور زیادہ تر ظریفانہ رنگ کے شعر کہتے تھے - ولی کے زمانہ میں تھے اور انھیں کو اپنا کلام دکھاتے تھے - اج تذکروں میں صرف دو شعر ان کے نام سے ملتے ہیں جن میں ظرافت کا ہلکا ہلکا رنگ ہے -

بس کرو زلف کو لپیٹ رکھو | کیا اسیروں کو مار ڈالو گے
ایک رسوا بہت ہے شہرت کو | جمع کر کیا اچار ڈالو گے

علی - قلچماق - اوباش اصفہان کا سربرآوردہ شخص تھا - اسی مذاق کے شعر کہتا تھا - ایک شعر یہ ہے -

تعلیم بچہ پروریت گر ہوس بود | برخیز و سر بپاے علیِ قلچماق نہ

عماد لر - ایران کا ایک زبردست ہزال تھا - کلام جو ملتا ہے وہ تہذیب سے معرا ہے لہذا نظر انداز کرتا ہوں -

حرف غین معجمہ

غازی الدین یعنی نواب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر وزیر عالمگیر ثانی - ان کا ایک شعر اس رنگ میں ملتا ہے - گمان ہوتا ہے کہ شاید مستقلاً ظرافت کے اشعار کہے ہوں بہرحال شعر یہ ہے -

سر سے پاؤں تک سفیدی آگئی تس پر حال　　شمع سی ہم نے نہیں دیکھی کوئی بوڑھی چھنال

غمگین - مولوی عبد القادر مرحوم متوطن رام پور کا تخلص ہے نہایت جید نہایت عالم و فاضل تھے - مراد آباد میں عہدہ جلیلہ صدر الصدوری پر ممتاز تھے تذکرہ صابر میں لکھا ہے کہ باوجود پیرانہ سری کے ظرافت پسند تھے مگر افسوس کہ ان کا کچھ کلام ظریفانہ درج نہیں کیا صرف دو تین شعر جن میں شوخی بیان پائی جاتی ہے درج کئے ہیں -

خدمتیں ساری فراموش شکایت اک یاد　　شبہ ہیں اک خطا کے ہمہ نیکی برباد

بندگی صاحب من خانۂ نیکی آباد　　گر نہادت ہمہ این است زہے نیک نہاد

در سرشتت ہمہ این است زہے نیک نہاد

جو مے رہی نہ تو شیشہ جھکا کے ساقی نے　　کہا یہ رندوں سے لیجئے سلام شیشہ کا

بندہ کی طلب ہووے تو سرکار میں آوے　　خلوت میں نہو حکم تو دربار میں آوے

غیاث الملک ۔ افسوس ہے کہ نہ آپ کا نام معلوم ہو سکا ۔ اور نہ حالات کا پتہ چلا صرف (علامہ غیاث الملک کے معنی بیز خیالات) کے عنوان عظیم الشان سے ایک غزل مل سکی ۔ جو مرزا غالب کی غزل پر کہی گئی ہے بعضا معنی سے بالکل معرا معلوم ہوتی ہے ۔ مگر اُن لوگوں کے لئے سامان عبرت ہے جو عظیم الشان پرزعب اور سنگین الفاظ رکھکر شعر کے مقصود اصلی تک پہونچنا چاہتے ہیں ۔ اگر ایسا ہے تو غالباً اس صدی میں علامہ غیاث الملک سے ایسے شاعر ایک ہی دو پیدا ہو کر پیدا وار بند ہو گئی ہوگی اور ع ترا کشیدہ دولت از قلم کشید خدا ۔ والا معاملہ پیش آیا ہو گا ۔ بہر صورت غزل یہ ہے ۔

شب چراغ عقل تصدیع خم فانوس تھا ۔۔۔ کسوت شمعوں کا خ غیرت فانوس تھا

نائرآور تیموس غرفش ناقوس تھا ۔۔۔ لایح لامع لعوق زاہد سالوس تھا

ثہ ندرو ذیغ ثریغ آسودۂ ناموس تھا ۔۔۔ زورق ردما ہلاک تختہ کابوس تھا

منبع لذاغ ایرادخلاغ عنت ربود ۔۔۔ قسوت قرطاس قیطاس قاموس تھا

قلقل صغرائے ترح کردبیاں ۔۔۔ محیط مخروط کعب شمسۂ قابوس تھا

مزبل نخاس کوس جبل نفاس جوع ۔۔۔ قلع زنگار قسط قصر کیگاوس تھا

شحنہ جوع البقر حیم مغاک قعر صِفر ۔۔۔ صِفرہ نبتِ نفوس نیر ناؤس تھا

نخلع کلغ خشونِ زریکِ کیف اللبوں ۔۔۔ یسر مس بلیتن قطرب جاسوس تھا

صفرت لغرس قاع خاط حاقِ لیف خد ۔۔۔ مجبس قطبی فضال نفخ بطلیموس تھا

حرقت محروق قسطاس غزیق حاو برد ۔۔۔ شیون ترشیح خل گوزم گنجوس تھا

سویت ناسوت ناسوت فلسطین مستقیم ۔۔۔ سوسمار سودسنیاب طائر محبوس تھا

سندباد توسن سنجاب سنوات رقود ۔۔۔ سم سلجوق حمار قطرجا لینوس تھا

لخلخہ لحن نگیا قرمز ہنجار وف ۔۔۔ قمعہ قفر تیں خمار رغبت طاوس تھا

لف ونشر حربہ شیاد خناس شیل — نیر قے بازو مکاڈ وچنگ زا ررد ین تھا
قاقم ار جلع تھا قطاب نشف نعتاس — طارم فقدان لپ چش ضو شمس بوس تھا
طمطراق نسر طائر قدغن بنت العنب — فیلسوف منع شیوع شعشہ معکوس تھا
صنعف شرح طاب طامات صغینہ الحذر — حف لفیں عتق نموج حسرت مایوس تھا

غت غون۔ ایک پختہ مشق شاعر ہیں جو تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی ظریفانہ رنگ میں بھی شعر کہہ لیتے ہیں۔ میرے دوست ہیں۔ مگر وقار ذاتی کی وجہ سے اجازت نہیں دیتے کہ ظریفوں کے ساتھ اُن کا نام بھی اس تذکرہ میں آئے۔ چند شعر بہت سے تقاضوں کے بعد مرحمت فرمائے ہیں وہی درج کرتا ہوں۔

ہوا ہے گھر ہمارا جب سے برباد — وہ کہتے ہیں ہمیں بندر کی اولاد
یہ جوش تمکنت اللہ اکبر — کہ جیسے آپ کا دادا تھا شداد
لباس نو ہے بی شیریں کی بر میں — نیا تیشہ خریدیں بھائی فرہاد

وصل کی دھن میں جنوں کی ہوئی عریانیاں — آجکل مجنوں کے چوتڑ پر لنگوٹا بھی نہیں
بھنگ گھوٹی یونہی بھانک کے سوتے ہیں ہم — کوئی کونڈی بھی نہیں ہے کوئی سوٹا بھی نہیں
کون سی بات پہ لیلیٰ کے وہ شوہر ٹھہرے — بھائی مجنوں سے تو میں عمر میں چھوٹا بھی نہیں
نازنیں مجھسے بچے پھرتے ہیں ناحق غت غوں — کچھ بھد لسیل بھی نہیں میں کوئی موٹا بھی نہیں

دنیا مرے نظارۂ حسرت کی بدلجائے — نیفہ سے اگر ان کا کمر بند نکل جائے

حرفِ فا

فتحی - نام فتح اللہ تھا - ہرات کے رہنے والے تھے - ہزل اور ہجو کی طرف طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا - ملا شفقی کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی -

اے شفقیا کسے چوں بتو پرداختہ ایم | با اشتر خود ترا قریں ساختہ ایم
دو گوز ہمیز نہ تو میگوئی شعر | اورا بتو در بدیہہ انداختہ ایم

فدا - مولوی عبد الوحید نام ہے - گلاوٹھی ضلع بلند شہر کے رہنے والے ہیں مگر بہ سلسلۂ ملازمت عرصہ سے مین پوری میں قیام ہے - مرزا داغ مرحوم کے ایک خوش فکر خوش مذاق شاگردوں میں ہیں - نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں - کبھی کبھی مزاحی شعر کہہ لیتے ہیں دو شعر جو ان کے صاحبزادے سے بہت عرصہ ہوا سنے تھے وہ آجتک دماغ میں محفوظ ہیں - فدا صاحب کی عمر اسوقت تقریباً ساٹھ پینسٹھ برس کی ہوگی - سنا ہے کہ اب بوجہ ضعف بصارت مشاعروں میں بھی شریک نہیں ہوتے

کوئی نیٹو بنے گر لاکھ مسٹر ہو نہیں سکتا | مقابل لوٹ کے ہرگز سلیپر ہو نہیں سکتا
نہ دوا اچھا نہ دوا اچھا نہ ولایت کا آرٹیکل ہو | مرے ٹیپو کو کیا اکبر ایمپسر ہو نہیں سکتا

فدا - سید محمد علی نام تھا - مگر لوگ ان کو ان کے عرف فدا شاہ کے ساتھ یاد کرتے تھے - لوہاری متعلقات سہارنپور کے باشندے - سپاہی پیشہ خوش اختلاط

نیک مزاج پسندیدہ خو تھے۔ مگر اول اول میں ان کے کلام میں شوخی زیادہ ہوتی تھی اور لوگ اُسکی تعریف کرتے تھے۔ آخر کار غزل گوئی ترک کر کے آخر عمر میں ہزل گوئی پر مائل ہو گئے۔ مگر کلام عنقا ہے۔ ایک ہی شعر مل سکا۔

جسنے کھایا ہے تیر مژگاں کا ــــ اس کے نزدیک پھانس ہے بھالا

فدائے سخن۔ اودہ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار تھے۔ جن کا اب باوجود تلاش کوئی حال نہیں ملتا۔ انداز بیان سے ابوالکمال مولانا امید کا کلام معلوم ہوتا ہے۔

لونڈے کہتے ہیں یہ دھڑلے سے ــــ شوق ہے ہمکو گیند بلّے سے

سچ تو ہے بندۂ ضلالت کو ــــ کیا غرض کعبہ یا مصلّے سے

ہاں للا ہیں وہی بدایوں کے ــــ کل ملے تھے جو اک بلّے سے

دیکھنے آج میر صاحب کو ــــ لوگ آئے ہیں ہر محلّے سے

غیر کو بدھیاں پنھائی جائیں ــــ ہم گئے گزرے ایک چھلّے سے

رنڈیاں چوک کی الجھتی ہیں ــــ ایک عاشق مزاج چھلّے سے

شاعری ہند کی ہے وابستہ ــــ آجکل جاہلوں کے پلّے سے

فرد۔ تخلص مولوی وحید الدین خاں نام تھا۔ خدا بخش خاں عرف دربھنگہ ضلع مظفر پور کے رہنے والے تھے۔ اشعار عاشقانہ لیکن اکثر ظرافت آمیز کہتے تھے۔

بند انگیا کے نہ بند ہوئے کبھی ــــ عمر بھر بندہ تو نامحرم رہا

سطح سینہ پہ ترے اے بُتِ نوخیز یہ کیا ــــ اُبھرا اُبھرا نظر آتا ہے کچھ اٹھا اٹھا

وہاں چھاتی ہے گدرائی یہ کیونکر یہاں کھٹکا　　　درخت بار و رہیں ناندھتا ہی بلغبان کھٹکا

فصّاد - نبو حجام دہلوی شاگرد شاہ نصیر کا تخلص تھا۔ صاحب تذکرہ گلستان سخن اس کی بابت لکھتے ہیں کہ "نہایت ظریف خوش طبع کشادہ رو۔ نیک خو تھا۔ شاید شعر گوئی سے غرض یہ تھی کہ موتراشی کے ساتھ موشگافی کو جمع کرے۔ چونکہ اُس کے اشعار تذکرہ میں لکھنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں"۔

بادہ کے ہمیں پینے سے کیا کام ہے ساقی　　　مے خونِ جگر آبلہ ہے جام ہمارا

افسوس ہے کہ اس شعر کے علاوہ اس کی ظرافت کا کوئی شعر مجھے بھی نہ مل سکا۔

فغان - اشرف علیخاں نام تھا فغاں تخلص احمد شاہ بادشاہ کے برادر رضاعی تھے۔ تمام تذکرہ نویس ان کی بذلہ سنجی اور ظرافت گوئی کے مقر ہیں۔ میر صاحب نے لکھا ہے کہ ان کی دو پھبتیاں بہت مشہور ہیں ناگر مل دیوان تن گوگھی کی منڈی کا سانڈ اور حکیم معصوم کو گاو گجراتی کہتے تھے۔

مولوی محمد حسین آزاد تذکرۂ آبحیات میں ان کی نسبت یہ لطیفہ لکھتے ہیں۔ خدا معلوم سچ ہے یا اپنی عادت کیموافق صرف دل لگی کے لئے بات کا بتنگڑ بنا دیا ہے بہر حال لطیفہ یہ ہے۔ کہ

راجہ شتاب رائے کے دربار میں انھوں نے ایک غزل پڑھی جسکا قافیہ تھا لالیاں۔ تالیاں۔ وغیرہ۔ سب سخن فہموں نے بہت تعریف کی۔ راجہ صاحب کی صحبت میں جگنو میاں ایک مسخرے تھے ان کی زبان سے نکلا کہ نواب صاحب سب قافیے آپ نے باندھے مگر تالیاں رہ گئیں۔ انھوں نے ٹال دیا۔ اور کچھ جواب نہ دیا۔ راجہ صاحب نے خود فرمایا کہ نواب صاحب سنتے ہو جگنوں میاں

کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مہاراج اس قافیہ کو مبتذل سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ اور حضور فرمائیں تو اب بھی ہو سکتا ہے۔ مہاراج نے کہا کہ ہاں کچھ تو کہنا چاہیئے۔ انھوں نے اسوقت پڑھا۔

جگنوں میاں کی دم جو چمکتی تھی رات کو　　سب دیکھ دیکھ اسکو بجاتے تھے تالیاں

تمام دربار چمک اٹھا اور جگنوں میاں مدہم ہو کر رہ گئے۔

اسی طرح ہر تذکرہ سے یہی پتہ چلتا ہے مگر افسوس کہ اُن کا ظرافت کا کلام تھوڑا سا بھی بہم نہ پہونچ سکا۔

فنا تخلص تھا شیخ باقر نام تھا کالپی کے رہنے والے تھے۔ حافظ ضیغم مولوی عبدالکریم خاں آشنا اور مولوی محمد منظہر وصل وغیرہ بہت سے شاعروں سے اصلاح لی تھی کلکتہ میں پیشۂ تجارت سے اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ ریختی گوئی کا شوق تھا۔ بارہ سو اکاسی ہجری میں زندہ تھے۔ ایک شعر مل سکا۔

کل روپے سونا کو منگوا کر دیے ٹکسال سے　　اشرفی خانم کھونگی جا کے کندن لال سے

حرفِ قاف

قاآنی - حبیب نام تھا - اور مدت تک یہی تخلص تھا ایران کے شاعر تھے - نہایت مشہور و معروف تھے بلکہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے اور غالباً نہایت صحیح ہے کہ دورِ آخر میں قاآنی سے بہتر ایران میں کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا - ان کی زبان نہایت صاف تھی - کلام میں جوش روانی بدرجۂ اتم تھا مگر خیالات زیادہ تر سطحی تھے - جب ان کی شعر و شاعری کا چرچا ہوا تو حسن علی مرزا گورنر خراسان نے ان کا تخلص قاآنی قرار دیا - اور انھیں کے ساتھ مرزا عباس سکین کا تخلص بھی بدلوایا اور فروغی تخلص رکھا - قاآنی اگرچہ مستقلاً ظرافت نہ کہتے تھے مگر تفنن طبع کے طور پر مختلف رنگوں میں شعر کہہ لیا کرتے ۱۲۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۷۰ھ میں انتقال کیا ایک نظم کے چند شعر دستیاب ہوئے جو ہکلوں کی زبان میں کہے ہیں - بقیہ اشعار ان کی گلستاں سے منتخب کرتا ہوں -

پیر کے لال سحرگاہ بہ طفل الکن
می شنیدم کہ بدین نوع ہمی اندسخن

کاے ززلفت صصصبم ششششام تاریک
وے زچہرت شششامم صصصبح روشن

تتتریاکیم وازشششہد لبت
صصصبر وتتتاب ررفت ازتتتن

طفل گفتا مممن راتقلید مکن
گگگم سوز برم ے کاکلمتر از زن

ممی خواہی ممشتے بہ بہ کلت بزنم
کہ بیفتد مممغزت ممیان دہنا

کیا پشم ہیں دنیا کے یہ سب اہل نعیم | بیقدر کریں ہمکو جو دیکر زر و سیم
مسجد میں خدا کو بھی نہ کیجے سجدہ | محراب جو خم نہ ہو برلے تعظیم

گندمی رنگ ہے جو دنیا میں | میری چھاتی پہ مونگ دلتا ہی
کبھی کھا کے کمر اور کبھی دہاں مجھکو | بٹ سٹبنگ کیا تونے اے میاں مجھکو
قایم یہ جی میں ہے کہ تقید سے شیخ جی | اب کے جو میں نماز کروں بے وضو کروں

قرم ریختی کے انداز میں پانچ سات شعر ملتے ہیں لیکن نام وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں مجبوراً صرف شعر ہی نقل کرتا ہوں۔ مگر شعروں میں صرف ریختی ہی کا انداز نہیں ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والا اپنے تخلص کو نباہنے اور اسم با مسمی ہونے ہونے کی برابر کوشش کرتا ہے۔ انداز کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دور حاضرہ سے کچھ پہلے کے کہنے والے کوئی صاحب ہیں۔

چار آنے جو مجھے دو تو میاں تمکو ابھی | جا کے اڈے میں حسینوں کے دکھلا آنا ہو

کس نگوڑی کلموہی نے بد عادی تھی اُسے | شہر کے چکلوں میں قرم کا پتہ ملتا نہیں
کیا نحوست چھا گئی ہے اپنا نہ پر لوا | ڈھونڈھتی پھرتی ہوں کوئی مرد ملتا نہیں
بیٹھکر ٹسوے بہاؤ یا کہو مجھکو بُرا | مجھکو تو بیگم کوئی اب آشنا ملتا نہیں

مردوا پانی بھرے سامنے اسکے بیگم | بیسوں ناخون جلا کر جو کھلاوے کوئی

ڈولی کے پیسے دینے پڑینگے میاں ضرور | کیا گھورتے ہو تم مجھے دیدے نکال کے
مردوں کے سامنے نہیں آتے ہیں یوں لوا | اوڑھا کرو ذرا تو دوپٹہ سنبھال کے

اچھے ٹھکانے آپ کو دکھلا کے کیا کروں | مفلس ہو تم میاں تو میں لیجا کے کیا کروں
دو چار آنے ہوں تو چھڑا دوں کسیطرح | قرق اک ہاں کا ہے تو سمجھا کے کیا کروں

پیر گفتا و و و انند مم معلوم است ایں گگمزادم من بیچارۂ نادر الکمن
ہ ہ ہفتا د د ہ ہشتاد و سالہ لست فزدوں گہ گہ گناگے ل ل لالم یہ بہ خلاق زمن
م م من ہم گگ گنگم م م مثل ت ت تو تو تو تو ہم گ گ گنگی ہم م مثل م م من

قایم۔ میر صاحب اور میر حسن نے اپنے اپنے تذکروں میں ان کا نام محمد قائم لکھا ہے مگر تذکرہ گلشن بے خار اور تذکرہ نساخ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد قیام الدین نام تھا۔ بہرحال چاندپور مدینہ ضلع مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ اول میں میر درد کے شاگرد رہے بعد ازاں سودا کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوے۔ نہایت قادر الکلام اور خوشگو تھے۔ تمام اصناف سخن پر قدرت تامہ حاصل تھی۔ مثنویاں کہنے میں بڑی مہارت تھی۔ تفنن طبع یا رنگ زمانہ کی ضرورت سے ظرافت میں بھی شعر کہتے تھے۔ بلکہ اس میں بعض اوقات اتنے بڑھ جاتے تھے کہ فحاشی تک نوبت پہونچتی تھی۔ ایک بڑا کلیات ہے جو اصناف سخن طرح طرح کی ظرافتوں ہجووں غزلوں قصیدوں رباعیوں وغیرہ سے مالا مال ہے اور عنقریب ایک مطبع سے شایع ہو کر نکلے گا۔ بعض تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ان کا لکھا ہوا ایک تذکرہ بھی ہے۔ مگر وہ مفقود ہے۔ قائم کی عمر کا زیادہ حصہ دہلی میں بسر ہوا اسی وجہ سے تمام اہل تذکرہ اور استادان زباندان باوجود چاندپوری ہونے کے ان کو مسلم الثبوت استاد جانتے اور اُن کی استادی کو مانتے ہیں۔ چنانچہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ "چوں از ابتداے جوانی در شاہجہان آباد بسر بردہ بنا بر آن محاورہ او درست گشت" سنہ ۱۲۱۰ھ میں انتقال کیا۔ اُن کا کلیات ترتیب تذکرہ کے وقت مجھکو نہ مل سکا اس لئے کہیں کہیں سے اس رنگ کے اشعار انتخاب کر کے لکھتا ہوں۔ ورنہ اُن کی کلیات میں بہت کچھ موجود ہے خصوصاً گوزی نامہ عجیب چیز ہے۔

لنڈن سے ہو کے ہند میں جب آنے مانگتا
ہم جورو لوگ گاڑی میں ہچلانے مانگتا

ہم مانگتا سگا ولایت کا سیگرٹ
اور بہرہ لوگ دیسی چرٹ لانے مانگتا

ہم دیسی حقہ دیکھ لیا گسہ کر لیا
یو فول کہہ کے بہرہ کو ہم کھانے مانگتا

کھانے کا کپڑا ڈالنا نیچے نہیں پسند
کانتا چھری سے میز پہ ہم کھانے مانگتا

مٹ بولو ایسا بات کہ ہم کالا لوگ ہے
صاحب کا نام ہمکو بہت بھانے مانگتا

گنگا جلی کھراب ہے جم جم پھجول ہے
ٹمبلر میں شام پین کو پلوانے مانگتا

مٹلب کھدا کا نام نہیں چرچ میں ہیں
ہم گھوڑا گاڑی کرنے فکٹ جانے مانگتا

مسٹر فلپ جو آتا تو کھُس ہوتا ہم بہت
جب باپ ملنے آئے تو سر مانے مانگتا

ہم دیسی لوگ کی طرح ہکٹا نہیں پھجول
صندوک اب پکھانے کا بنوانے مانگتا

کرتا بہت سا گسہ ہوں ہوتا ہوں پھر کھراب
جب ڈیسی بھائی ملنے ہمیں آنے مانگتا

جاہل پہننے مانگتا پاجامہ لوگ کو
ہم برجس اور سوٹ کو سلوانے مانگتا

سر پر نہیں لپیٹتا لمبا سا کپڑا ہم
ہم ہیٹ ایک گھاس کا بنوانے مانگتا

پیٹتا ہے دودھ یہ ماؤں کا یہ بیوقوف لوگ
ہم دودھ گھر کا بچہ کو پلوانے مانگتا

ایک جگہ یہ مقطع ہے

دیل ہاٹ صاحب لوٹ لڈیا کھوب یہ گجل
سب لیڈی لوگ باجے پہ یہ گانے مانگتا

دو روز بھی تو میں نہیں رہتی ہوں جیب پیسے
بیگم تمہیں بتاؤ کہ میں لٹاکے کیا کروں

بیزار سے مری جو مرے گھر نہ آئے وہ
طوطے چشم ہیں مروّے پچھتا کے کیا کروں

قُقنُس مجھے افسوس ہے کہ اس عدیم المثال بدیع الزماں شاعر کا نام نہ معلوم ہو سکا۔ ایک پرانی کتاب میں ایک قصیدہ اس عنوان سے لکھا ہوا نظر آیا تھا "قصیدہ کہ در مدح معتمد الدولہ بہ صنعتے کہ بجز تخلص لفظے ہم معنی ندارد گفتہ شد دبجائزہ اش از بارگاہ فلک اشتباہ بخلعت و انعام سرفراز گردید" مجھے اب افسوس آتا ہے کہ پورا قصیدہ جسمیں بلا مبالغہ دو سو ڈھائی سو شعر تھے کیوں نہ نقل کر لیا۔ ممکن ہے کہ بعض طبائع اس کو پسند نہ کریں مگر میرے نزدیک یہ ایک کمال ہے۔ اور اس صنعت و التزام سے عہدہ برآئی ہر شخص کا کام نہیں ہے۔

قمل قطلان وقلام قاطر قاد
تقفیل قام قلاعد قرم قامل قیم

قریم قورع قرام قرعقرم قرابض
مقعسموق قریقم قریشم تقالیم

مقور قورچہ قندریج قاقل قیق
قردق تقامرق قاقلاں قوغ قمیم

لقوق مقمقۂ ناقداں موق مقاق
مقیر مقلسہ بقمساق ما قلقیم

قمام قنقنۂ قندشین قوقل قیز
جقوش تقفت قلاقوش تقنق جقفیم

قمر۔ یا جان۔ یا ہاتف ۔ حالات و نام معلوم نہیں ہو سکے۔ یہ غزل تین ناموں سے ملتی ہے۔ معلوم نہیں کہ اصل مصنف کون ہیں ۱۔ قمر ۲۔ جان صاحب۔ ۳۔ ہاتف صاحب۔ بہر حال میں اول الذکر کے نام سے لکھتا ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ یہی صحیح ہو۔

ہے رام جنکا کام تھا کافر کا مارنا
وہ آج مارتے ہیں تتیا اِلم گسم

بہت ہنسے ایک رباعی بطور نمونہ کلام درج کرتا ہوں۔

کیا پھرتی ہے میکدہ میں مٹکی مٹکی　　زاہد عابد سے دور بھٹکی بھٹکی
قاضی کا نہ ڈر نہ محتسب کا کافر　　یہ دختر رز بھی جس سے اٹکی اٹکی

کافر ک نام جلال الدین تھا ناصر الدین غزنوی کے بیٹے تھے۔ ایک زبردست ظریف اور ہزل دوست تھے۔ اشعار میں بھی وہی رنگ ہوتا تھا۔ ایک شخص جو نہایت کنجوس تھا اُس کی ہجو میں یہ شعر کہے تھے۔

پدرش گر بنانش دست برد　　پسرش گر بخوانش در نگرد
بہ بُرد زود دستہائے پدر　　بکند چست چشمہائے پسر

کالے صاحب تلہر ضلع شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے نظیر اکبرآبادی کو کلام دکھایا تھا۔ کم اوقات غریب آدمی تھے مگر ظرافت کے پتلے تھے۔ ظریفانہ غزلیں نظمیں بہت سی کہی تھیں مگر چونکہ زمانہ نے قدر نہ کی وہ سب ضائع ہوگئیں کچھ شعر جو ایک دوست کے حافظہ میں محفوظ تھے مجھ تک بھی پہونچ گئے۔

میں کہا پاس تو آیئے تو اے ماہ جبیں　　تو کہوں حال دل اپنے کا میں اے لعبت چیں
لیکے دل تو نے نہ دیکھا یہ مرا حال حزیں　　ہنسکے کہنے لگی دل تو نے دیا کس کے تئیں
میں کہا کھاؤ قسم کہنے لگی چل جھوٹے

میں کہا چل مرے گھر کہنے لگی کتنی دور　　میں کہا چار قدم کہنے لگی چل جھوٹے

میں کہا رو دیا بہت بولی کوئی شاہد لا　　میں کہا چشم ہے نم کہنے لگی چل جھوٹے

حرف کاف

کافر محمد طاہر نام تھا اصفہان کے رہنے والے تھے۔ نہایت علم دوست اور نیک طینت تھے مگر ظرافت اور ہزل کا طبیعت پر اسقدر غلبہ تھا۔ کہ بعض بعض کفر کے کلمے بھی ان کی زبان سے اسی ظرافت میں نکل جایا کرتے تھے۔ اسیوجہ سے لوگ ان کو حاجی کافر کے نام سے یاد کرتے تھے۔ نمونہ ظرافت

نوشتم نامۂ سوئیت نہانی　　که غیر از ساربانش کس نه داند
میانِ من و تو رمزی است پنہاں　　کسے داند که اشتر میچراند

کافر ٹکہ۔ میر علی نقی نام تھا۔ قوم سے سید اور نہایت صحیح النسب تھے۔ سپاہی پیشہ تھے زمرہ ملازمین میں دربار محمد شاہی میں عمر بسر کرتے تھے۔ جب شعر کہتے تو ہزل اور ظرافت کی چاشنی ضرور دیتے۔ اور جب سناتے تو کہتے کہ جناب شعر نہیں ہے ٹکہ ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کا تخلص ٹکہ مشہور ہوگیا تھا۔ میر صاحب کے دلی دوست تھے۔ عجیب خوش مذاق تھے پہلے جب فارسی شعر کہتے تھے تو تسکین تخلص فرماتے تھے۔ پھر اسکو چھوڑ کر جنوں کرنے لگے اس کے بعد جاوید خاں خواجہ سرا کی سرکار کے نمک خوار ہوئے تو کافر تخلص اختیار کیا۔ ایک روز میر ضاحک کے پاس بیٹھے ہوئے تھے میر ضاحک کہنے لگے کہ تم فارسی اور ہندی تو کہہ چکے اب مزا تو یہ ہے کہ عربی کہا کرو اور کافر کو چھوڑ کر ملعون تخلص رکھو۔ یہ سنکر

کالی بوتل سے پلا دے جلد اک جام شراب | کیوں۔ خبر لینا بخوبی ہے مجھے حساد کی
گنڈیاں پیچھے لگی ہیں قفل ہے آگے پڑا | پاجامہ کی وضع تم نے نئی ایجاد کی
اسقدر کافی نصیحت ہے یہ کٹر کی سنو | چھوڑ دینا اب روش اس بغض بے بنیاد کی

کٹ کٹار۔ غازی پور کے رہنے والے تھے اور ظرافت کا رنگ نہایت بہترین کہتے تھے مگر افسوس کہ کسی طرح کلام دستیاب نہ ہو سکا۔ مکرمی شاہ نذیر صاحب ہاشمی نے وعدہ بھی فرمایا۔ مدتوں منتظر بھی رکھا۔ مگر وہ وعدہ وعدہ ہی رہا تا انیکہ آج مجھے تذکرہ میں صرف ان کے نام پر قناعت کرنا پڑی۔

کشنیز۔ بدایوں کے رہنے والے اور پیر کشنیز کے نام موسوم ہیں۔ مگر دراصل واقعہ یہ ہے کہ اس نام سے ایک فرضی دیوان طبع کرایا گیا ہے۔ اس کے مصنف غالباً ایک اور صاحب ہیں جنھیں میں جانتا ہوں مگر چونکہ کسی مصلحت سے انھوں نے دیوان کو اپنے نام سے مدوّن نہیں کیا۔ اس لئے میں اُن کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ بہر حال انتخاب دیوان یہ ہے۔

تیری قدرت ہی سے پانی بھی ہوا دو ٹکڑے | پشت پر نیل کے موسیٰ نے جو سونٹا مارا
ہنہناتا ہوا بھاگے گا زبس طائر روح | موت کا جب ملک الموت نے کوڑا مارا
توڑ دی پشت عدو میں نے پکڑ کر گردن | کہہ کے یا قادر و قیوم جو گھونسا مارا
بال گر جائیں گے اڑ جائیگی طبلی کشنیز | ملک الموت نے جب چاند پہ جوتا مارا

ہم نے محفل سے تری غیر کو ٹلتے دیکھا | یعنی شیطان کو جنت سے نکلتے دیکھا
اب خدا جانے وہ کھٹمل تھے کہ دل کے ٹکڑے | جو تموں سے انھیں کچھ تم نے مسلتے دیکھا

جی میں مرے بیٹھے بیٹھے آیا | چل یار کے گھر کسی بہانے
زنار پہن کے قشقہ کھینچا | لے ہاتھ میں پوتھی کوئی جانے
کاشی سے ابھی نئے ہیں آئے | جو کہئے کسی سے سو وہ جانے
القصہ میں اس گلی میں جاکر | آواز بدل لگا لگانے
پنڈت ہوں شگن بچارتا ہوں | اشلوک کے یاد ہیں فسانے
یا پاس کھڑا نہ ہونے دیتا | یا آپ لگا مجھے بلانے
تب ہاتھ میں ہاتھ لیکے بندہ | سچ جھوٹ اُسے لگا بتانے
روٹھا ہے جو یار وہ تمھارا | تم جاؤ اگر اُسے منانے
وہ آئے اگر تمھارے گھر پر | دولت سے لگے اُسکے ساتھ آنے
پرکھا مری بات کو وہ چالاک | معشوق تو ہوتے ہیں سیانے
کہنے لگا پھر وہ مجھسے ہنسکر | بھیجا ہے تجھے آج بے حیا نے
کھسکا دبے پاؤں پھر تو بندہ | جی مفت بچا لیا خدا نے
پہچانتا گر وہ مجھکو قاتل | تو آج لگی تھی جان ٹھکانے
یہ پیچ کی باتیں من سے کالے | کیوں لہر میں آئے ہو دوانے

ظرافت کے ساتھ ساتھ فحش گوئی کا بھی چسکا تھا مگر وہ ایسی نہیں ہیں کہ ان کو پڑھا جائے اور اس سے تنغص کی بجائے تفریح ہو لہذا نظر انداز کرتا ہوں۔

کٹر - عرف محمود - اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں - ایک غزل نمونہ کلام کے لئے لکھی جاتی ہے اور نہ نام معلوم ہے نہ کسی تفصیلی حال سے اطلاع ہے -

ساقیا تجھکو قسم ہے کالئے استاد کی | ایک کچی سے خبر لے اس دلِ ناشاد کی

وعدۂ وصل کبھی یار کا پورا نہوا	روز گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے دیکھا

غیرت لالٹین رشک چراغ	یار کیا خوش جمال ہے میرا
میں نے بوسہ لیا تو روے کیوں	تم بھی چومو یہ گال ہے میرا
ان کو میں نے چھوا تو بولا غیر	اے میاں اسے یہ مال ہے میرا
اُن کو لڑوا دیا رقیبوں سے	اک یہ ادنیٰ کمال ہے میرا
سب خمیری چپاتیاں میری	پر یہ اک شیرمال ہے میرا
دیکھ پردیں کو وہ یہ کہتے ہیں	منھ کا تھو کا اگال ہے میرا

ایک دن کا ذکر ہے یہ ایک دن کا ماجرا	اک رقیب روسیہ نے مجھسے آکر یہ کہا
کون سا میں نے کیا ہے جرم جسکی وجہ سے	وہ پئے آزار ہے دنیا کا ہر چھوٹا بڑا
کوئی بتلاتا ہے مجھکو بدخصال و بدمعاش	کوئی بتلاتا ہے الّو کوئی کہتا ہے گدھا
کوئی بتلاتا ہے غنڈا کوئی کہتا ہے ذلیل	کوئی بتلاتا ہے شہدا اور کوئی جرکٹا
کسکو کیا میں نے کہا ہے کب ہوا کسکے خلاف	کسکا میں نے کیا بگاڑا ہے لیا کسکا ہے کیا
میں یہ بولا ہیں تو سب اچھائیاں تم میں مگر	بات اتنی ہے کہ ہو سو..... کے.....

کچھ خبر بھی ہے تجھے او مست خواب	غیر بوسے لے رہا ہے بے حساب
یہ حرمزدگی تو اُن کی دیکھیے	خط طغرا میں لکھا خط کا جواب

کبھی نخرے کی چڑھائی ہے کبھی غمزہ کی	وصل کی رات ہے یا فتح مہمات کی رات
ہیں بلائیں کبھی سر کی تو کبھی قدمونکی	لیلۃ الوصل بنی ردِ بلیات کی رات

جا کے تھانے میں رقیبو نے لکھائی ہے رپٹ　　کرتا تاہی ہمیں یار بہت ہے نٹ کھٹ
اپنے چہرہ سے اٹھایا جو نہی اُسنے گھونگھٹ　　بھتنیاں لینے لگیں سر کی بلائیں چپٹ چٹ
جل رہے ہیں طپش عشق سے لاکھوں عاشق　　یہ گلی ہے تری ظالم کہ کوئی ہے مرگھٹ
رہ الفت کی خرابی سے میں بچتا کیونکر　　کھا کے ٹھوکر جو نہی سنبھلا تو گیا پاؤں رپٹ
کسقدر حضرت کشنیز بھی ہیں شوخ مزاج　　نام معشوق کا رکھا ہے میاں پرجاپٹ

ستیا ناس ہو رقیبوں کا　　ہیں یہی اس لڑائی کا باعث
ہے وہی قفل اور وہی کنجی　　پھر نہ کھلنے کا کیا ہوا باعث
جوتے پڑتے ہیں کیوں تڑاق تڑاق　　کوئی موجب سبب خطا باعث

کہتے ہیں کیا یار نے دنیا سے سفر آج　　بے پر کی اڑائی ہے رقیبوں نے خبر آج
دینا ہی جواب انکی دریدہ دہنی کا　　کرنا ہے حسینوں کو مجھے شہر بدر آج
جوتی ہے نہ ٹوپی ہے نہ کپڑا ہے بدن پر　　لی حضرت کشنیز کی لونڈوں نے خبر آج

کیوں چڑھے آتے ہو تم خرس بیاباں کی طرح　　بات کرنا ہو کرو دور سے انساں کی طرح
آپ کا خرچ چلے غیر سے رشوت اینٹھو　　بیٹھنے دیجئے دروازے پہ درباں کی طرح
ڈورے ڈالے ہیں رقیبوں نے مٹھائی دیکر　　پیچ در پیچ ہیں وہ سنبل پیچاں کی طرح
سنکے اشعار وہ کشنیز کے فرماتے ہیں　　کھیت میں نظم کے ہل جوتا ہی دہقاں کیطرح

قابو میں طبیعت رہے یہ ہو نہیں سکتا　　جب ایک ہی خانہ میں رہیں مادہ و نر بند
گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں نکیرین لحد میں　　جاؤں تو کہاں جاؤں ادھر بند ادھر بند

کہتے ہیں شب وصل شہزمیلی ادا سے
لادو مجھے پنجاب سے ریشم کا کمر بند

قیمت بتا رہے ہیں وہ بوسے کی دس ٹکے
کیا کیا ہے اُن کو اپنے خریدار پر گھمنڈ
کشنیز ہمکو اپنی ٹٹیا پہ ناز ہے
اس شہسوار کو جو ہے رہوار پر گھمنڈ

پھنسے بیطرح آکے وہ میرے گھر
نہ بچنے کا موقع نہ جائے مفر
اسی دھن میں رہتے ہیں شام و سحر
کہ چڑھ جائے ہتے کوئی سیمبر
گئے میر کشنیز جب اُن کے گھر
مٹھائی کے بدلے کھلائی مٹر
پٹا میرے دھوکے میں کل شب رقیب
بلا بوزنہ کی طویلے کے سر
حسینوں کے بوسے ٹکے سیر ہیں
اسی پر وہ کرتے ہیں اپنی گزر
مزے سے گزرتی ہے قلاش کی
نہ چوروں کا کھٹکا نہ رہزن کا ڈر
مزا تیرے بوسے میں آلو کا ہے
نہ کچھ اسمیں گڑ ہے نہ اسمیں شکر
طلاق انڈین لیڈیوں کو دیا
کہ اک میم کشنیز ڈالی ہے گھر

ملا ہے قسمت سے خوب جوڑا بٹیر تیری مراکبوتر
نیا تعلق نیا ہے رشتا بٹیر تیری مراکبوتر
ابھی تو نام خدا ہیں کمسن ابھی ہیں شرم و حجاب کے دن
مگر کہانتک کرینگے پردا بٹیر تیری مراکبوتر
یہ اُسکی پیاری وہ اسکا پیارا یہ اسکی عاشق وہ اسکا شیدا
وہ آن مجنوں یہ شان لیلیٰ بٹیر تیری مراکبوتر

اُسکے گانے کی سنتے ہی آواز
بزم میں سب لگے بجانے ساز
کبھی اوپر ہیں ہم کبھی نیچے
خوب ہیں دہر کے نشیب و فراز
تھام کر رہگیا میں دل اپنا
نظر آیا جو وہ بت طناز

یعنی اندر سبھا کے ناٹک کے | باب اول کا ہو گیا آغاز
ہم نے دل نذر کر دیا فوراً | اُسنے جب کاٹنے کو مانگی پیاز
اسی بندوق ایک نالی سے | میر کشنیز مار لائے قاز

کل جسنے جوتیوں سے حجامت بنائی تھی | پھر لیچلا ہے دل اسی بیان شکن کے پاس
دو بیبیوں میں ہے مری دولت بٹی ہوئی | کچھ اس دلھن کے پاس ہے کچھ اس دلھن کے پاس
کشنیز اسکی بے دہنی پر نہ جائیو | گز بھر کی اک زبان ہے اُس بے دہن کے پاس

شہر میں کہنے لگے سب مجھے مسٹر کشنیز | دی تھی اسپیچ جو کل ہال میں مینے پر جوش

ان کو اگر ملال ہے میرے وصال کا | تربت پہ میری ڈھول بجانے سے کیا غرض
ساقی نہیں کلال نہیں پیر مغ نہیں | ان کو شراب وصل پلانے سے کیا غرض
کچھ لام لام زیر سمجھتے ہو تم مجھے | آخر مرا مذاق اڑانے سے کیا غرض
وہ چاہتے ہیں گانٹھ کا پورا نظر کا ہٹ | اندھے سے کام ہے انھیں کانے سے کیا غرض

دشمن و دوست میں کچھ فرق سمجھتے ہی نہیں | انکی نظروں میں تو سب ایک ہے کھائی خندق
بزم میں دیکھا جو کشنیز کو بیٹھے تو کہا | کیسا بندر کی طرح بیٹھا ہے الو احمق

مروڑے ہاتھ دشمن نے یہانتک | کہ چکنا چور کر دیں چوڑیاں تک
رقیبوں نے کیا پٹ جھاڑ انکو | چرا کر بیچ آے پانداں تک

وہ یہ کہتے ہیں ترے گھر میں چلوں گا ترے سنگ　　اور مرے گھر نہ چٹائی نہ تپائی نہ پلنگ
دونوں رخساروں پر جم آئے بال　　ہو گیا ختم اُن کا حسن و جمال
رکھ کے موٹا سا دوش پر ڈنڈا　　میر کشنیز چل دیئے سسرال

یار کی گالیاں دو رنگی ہیں　　بعض میٹھی ہیں بعض کھٹی ہیں
کہیں فقروں میں آنیوالی ہیں　　وہ بھی شیطان کی بھتیجی ہیں
ہے بڑھاپے میں شوق حوروں کا　　شیخ جی کیا ہیں شیخ چلی ہیں
اللہ اللہ ایسی ناقدری　　جیسے ہم دودھ میں کی مکھی ہیں

نہ مرغی ہے نہ مرغا ہے نہ بچا ہے نہ انڈا ہے　　تمھارے پاس ہے ہی کیا فقط ڈھانچا ہی ڈھانچا ہے

نہ لٹو کھڑے کر کے گھٹنے مری جاں　　کہ اُدھڑی ہوئی ہے میانی تمھاری

ذرا میر کشنیز پگڑی سنبھالو　　کہ اب سر پہ جوتا پڑا چاہتا ہے

وصل کی رات انھیں جس نے سونے نہ دیا　　جب ذرا آنکھ لگی ناک میں بتی کر دی
وصل کی رات بھی شوخی سے وہ باز آئے　　پیستے پیستے کشنیز کی چٹنی کر دی

جب چلے دنیا سے دامن جھاڑ کر　　شیخ کی داڑھی اُدھڑ کر رہ گئی
عشق میں صورت ترے کشنیز کی　　گھٹتے گھٹتے مثل بندر رہ گئی

خون عفت کا ہوا شیشۂ عصمت ٹوٹا — آپ نے غیر سے مل کر کے ملنے کا نتیجا دیکھا
چوما چاٹی ہی اگر رہتی تو چنداں غم نہ تھا — رنج اسکا ہے انھیں دشمن نے ننگا کر دیا
جام وصال کے عوض بوسۂ لب عطا کیا — موت کا تھا مقدمہ ڈگری ہوئی بحال ہے

کمترین - ان کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ میر حسن اور میر تقی میر دونوں نے اپنے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر کیا ہے - مگر نام نہ انھوں نے لکھا نہ انھوں نے۔ میر حسن نے لکھا ہے کہ ایک شخص نوکری پیشہ نواب عماد الملک کی سرکار میں ملازم تھا۔ اور اپنی استعداد کی موافق شعر خوب کہتا تھا۔ میر تقی میر لکھتے ہیں کہ ہزل کی طرف اُس کے مزاج کا میلان بہت زیادہ تھا۔ کمترین نے ایک شہر آشوب بھی لکھا ہے جس کے یہ چند شعر تذکرہ میر تقی میں درج ہیں -

نہ خصم گن گر مشلیجن نے گئے — تو بھی نہیں رہتی دو شاخہ بن دیئے
پلائیں مفت نصرانی کو تاڑی — اگاڑی اصطبل کے جا بچھاڑی
یہ متصدی نہیں ملتے اگر بھانڈو نسے رات نہیں — تو کیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر کے رات نہیں
دیکھو پکوان والی کی مزاخیں — خصم کے روبرو دیتی ہے سناخیں
تم بادشاہ پسند ہو ہم کمترین پیارے — کے سیر ہم کو دوگے نازک بدن پیارے

کمن - ایک بھنگیڑن کا تخلص یا نام ہے جو بازار بھرتیور میں بھنگ گھوٹتی تھی اور شب و روز مست رہتی تھی قدرت کی فیاضی نے طبیعت موزوں عطا کر دی تھی جو کچھ کہتی تھی خوب کہتی تھی۔ ایک شعر اس کا ملتا ہے۔

اے بوا میں نہ ہوئی حضرت شبیر کے ساتھ — زہر دیدیتی موئے شمر کو بس کھیر کے ساتھ

کوثر سید محمد حسین نام ہے لکھنؤ وطن ہے۔ ابتدائے عمر سے شعر و شاعری کا شوق دامنگیر رہا۔ اول اول کچھ غزلیں منشی بالکرشن صاحب قمر لکھنوی تلمیذ امیر مرحوم کو دکھائیں۔ اس کے بعد راقم الحروف سے مشورہ سخن کرتے رہے اور اب تک جب کوئی غزل کہتے ہیں تو سنا دیتے ہیں۔ اوائل میں نہایت خوش طبع رنگیں مزاج تھے۔ ظرافت سے طبیعت کو ایک خاص قسم کا لگاؤ تھا۔ اسی لئے ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے۔ عطاری کی دوکان کرتے تھے۔ جہاں شہر کے اچھے اچھے نامی گرامی شعراء کا مجمع رہتا تھا۔ ہر وقت شعر گوئی اور شعر خوانی ہی کا مشغلہ تھا۔ بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ اور خود بھی ماہوار مشاعرے کیا کرتے تھے۔ اردو ادب سے خاص دلچسپی تھی۔ اگرچہ علم کی تحصیل بہت معمولی تھی مگر اساتذہ فن کی صحبت نے ضروریات شعر سے باخبر کر دیا تھا۔ ایک دیوان رنگ قدیم میں کہہ کر جمع کر لیا تھا۔ مگر افسوس کہ عین شباب کے عالم میں مصیبت کا پہاڑ پھٹ پڑا۔ جسنے تمام لذتوں سے محروم کر دیا۔ کچھ امراض پیدا ہوئے۔ اُسی میں آشوب چشم ہوا بینائی نے جواب دیدیا۔ اور تمام عیش و سرور پر پانی پھر گیا۔ کوئی حکیم ڈاکٹر باقی نہ رہا کہ علاج نہ کیا ہو۔ مگر بالاتفاق سب نے جواب دیدیا کہ مرض لاعلاج ہے اب گوشۂ انزوا میں پڑے ہوئے اللہ اللہ کرتے ہیں۔ اور زندگی گزار رہے ہیں۔ ترتیب تذکرہ کے وقت یہ شعر دیئے تھے جو درج کرتا ہوں روزانہ شام کو میرے پاس آتے ہیں اور تھوڑی دیر غم تراشی کر کے چلے جاتے ہیں عمر تقریباً ۳۲-۳۳-۳۴ سال ہوگی۔

تمہاری فارغ البالی کا کیا کہنا ہے اے بھائی ۔۔۔ بنے پھرتے ہو چھیلا سے نہ مونچھیں ہیں نہ داڑھی ہے

الٰہی کسطرح نکلے گی آخر وصل کی حسرت ۔۔۔ وہاں نازک فطن ہے اور یہاں اک اونٹ گاڑی ہے

ہمارا اور تیرا ساتھ کیا ہوگا بھلا واعظ — ترے قدح میں زمزم ہی مرے کلھڑ میں تاڑی ہے

ہوس سے آج خالی کوئی بے پیر انہیں ملتا — وہ کیلا ڈھونڈھتا ہی اب جسے کھیرا نہیں ملتا
لبوں سے ان بتوں کے ایکدن لذت نہیں پاتا — وہ مکھی ہوں جسے بازار میں شیرا نہیں ملتا

چلاتے ہیں ستم کے تیر سب پر حکمراں ہوکر — خدائی فوجداری کر رہے ہیں وہ جواں ہوکر
پھر رہی ہے تری شمشیر جفا اے قاتل — اک جہاں میں ملک الموت کی اماں ہوکر
طائر دل نے بہت رنگ دکھائے انکو — کبھی الو کبھی مرغا کبھی ٹٹیاں ہوکر
نقد دل ہار دیا ہم نے جوئے خانے میں — پھر گئی آنکھ فسوں ساز کی ٹیاں ہوکر

اللہ نے بیرحم کے ڈالا مجھے بس میں — دم کاٹ کے صیاد نے رکھا ہے قفس میں
تیغ ستم کا کوٹ سے لیسنس لیجئے — چالان ہوگا ورنہ کسی روز آپ کا
رہتا ہے اسکی دم میں کوئی خط بندھا ہوا — اڑتا ہے جب کبوتر پاموز آپ کا
دنیا تمام چشمۂ فیض کرم ہیں آہ — میں ہی نہیں شرف اندوز آپ کا

کو دن۔ عبد العلیم نام تھا شنہ میں جب راقم الحروف گڈھ مکٹیسر میں رہتا تھا تو ان سے ملاقات ہوتی تھی ایک صوفی درویش منش آدمی تھے اساتذہ سلف کے ہزاروں ظریفانہ اور عاشقانہ شعر یاد تھے۔ شعر و شاعری سے اتنا شغف تھا کہ میں نے جب کبھی ان کو دیکھا شعر ہی پڑھتے ہوئے دیکھا۔ خود بھی شعر کہتے تھے مگر مزاج میں شوخی اتنی تھی کہ ہزل کا رنگ اختیار کرنا پڑا تھا۔ کچھ شعر یاد ہیں درج کرتا ہوں۔

جب سے ہوے قلندر اور چاندنی گھٹائی | جس خوبرو نے دیکھا اُسنے چپت جمائی
یہ لیلی اور شیریں دونوں ہیں بہنیں | فرہاد اور مجنوں دونوں ہیں بھائی بھائی
کل بزم میں کچھ اُسنے کی اسطرح رکھائی | جب ہمکو چین آیا جب جا کے کھیر کھائی

چھاج مانگے ہے مصور بھنیں ابھی بھائی نہیں | اس لئے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

سب ہجر میں تمہارے نالے ہیں عاشقوں کے | بلی کی میاؤں میاؤں کووں کی قاوں قاوں
گڑ میں ملا کے مجھکو وہ زہر دے رہے ہیں | اے دوستاں بتاؤ میں کھاؤں یا نہ کھاؤں

کھونٹا - مجھے ان کا نام اور پتہ معلوم نہیں۔ مگر مرزا واجد حسین صاحب یاس نے اُن کے ایک دو شعر سنائے اور بتایا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے تھے - یا ہیں۔ بہر حال میں نے سخت کوشش کی کہ اور کلام ملے یا نہ ملے کم سے کم ان کا پتہ ہی معلوم ہو جائے - مگر ناکام رہا - بلکہ معلوم ہوا تو یہ معلوم ہوا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے ہی نہ تھے۔ بہر حال یہ تخلص ہے اور یہ اُن کے کلام کا نمونہ ہے -

ہاے تجھ بن چارپائی بھی ہے چپ | آج وہ آواز چر چوں نہیں
ہم نہ کہتے تھے کہ ہرگز ان رقیبوں سے نہ مل | لے کمانے کھانے کا بھی ٹھیکرا جاتا رہا

حرف گاف فارسی

گرم - مظفر علی خاں نام تھا رام پور کے رہنے والے تھے صاحب تذکرہ گلستان سخن نے ان کو ظریف لکھا ہے - ایک شعر بھی ظرافت کے رنگ کا ملتا ہی ممکن ہے کہ اور کلام بھی اس رنگ کا ہو -

حال عاشق کبھی پوچھے نہ ملائے چشم　　آنکھیں کیا چرنے گئیں ہیں تری اے آہو چشم

گمنام - شیخ احسان علی نام تھا ہاپوڑ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے شیخصاحب مرحوم عمر بھر ایک ممتاز عہدہ سرکاری پر متعین رہے جب پنشن لیکر آے تو ہاپوڑ میں منشی ابن علی مرحوم کے دم سے شعر و شاعری کا چرچا تھا - اور انھیں کی مساعٔی جمیلہ سے شعر و سخن کا بازار گرم تھا - مقامی شعراء کے علاوہ میرٹھ اور دوسری دوسری جگہوں سے بھی شعرا آتے اور یہاں کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے - شیخصاحب بھی بعض بعض صحبتوں میں شریک ہوتے اور للچائی ہوئی نظروں سے شاعروں کو دیکھتے - تا اینکہ ایک دن جاڑے کی شدت سے سورج بھی افق مشرق میں کانپ رہا تھا - شیخ صاحب ایک لوئی اوڑھے ہوے منشی ابن علی مرحوم کے مکان پر پہونچے اور سب سے پہلے آغاز کلام اسی جملہ سے کیا کہ بھئی رفیق میں تو سمجھتا تھا کہ شاعری بھی ایک دشوار اور مشکل الحصول فن ہے مگر آج تو یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں رفیق مرحوم نے کہا کہ چچا بھلا آپ کی قابلیت کے سامنے شاعری کیا چیز ہے - کیا آپنے

بھی آج کچھ نظم فرمالیا۔ رفیق مرحوم نے یہ جملے اسوجہ سے کہے کہ شہر کے شعراء میں ایک
کہنہ مشق شصت سالہ سخنگو کا اور اضافہ ہوا۔ چنانچہ شیخ صاحب نے کہا کہ لو ہاتھ
کنگن کو آرسی کیا۔ فوراً اپنی رات کی کہی ہوئی غزل سنادی جس کا ایک مصرع مشرق
اور ایک مغرب کی خبر لارہا تھا۔ ایک مصرع ایک فٹ کا تھا تو ایک ایک انچ کا۔
سراپا ناموزوں۔ رفیق مرحوم نے ہنسی کو ضبط کیا دل میں خوش ہوے کہ ایک
سامان تفریح ہاتھ آیا۔ داد دی۔ اور ایسی داد دی کہ شیخصاحب بھی خوش ہو گئے
پھر کیا تھا دوپہر تک قصبہ بھر میں شہرت ہو گئی۔ دنیا غزل سننے کے لئے چلی آرہی ہے
اور شیخ صاحب کو داد اور مبارکباد دے رہی ہے شیخ صاحب ہیں کہ اس افتخار
پر پھولے نہیں سماتے۔ سلام کے لئے ہاتھ تک نہیں اٹھاتے۔ کہتے ہیں تو یہی
کہتے ہیں کہ ہم تو سمجھے تھے شاعری بڑی مشکل چیز ہے۔ مگر لاحول ولا۔ واللہ
کچھ بھی نہیں آخر کار فکر ہوئی کہ آپ کا تخلص کیا رکھا جاے عجیب وغریب
شاعر کے لئے انوکھے تخلص بھی تجویز کئے گئے۔ مگر خرابیاں بھی نکلتی رہیں
اور مسترد ہوتے رہے۔ لفظ (گمنام) کی قسمت میں یہ شرف لکھا ہوا تھا کہ اس
پیر کہن سال کہنہ مشق کا تخلص قرار پاے۔ اب کیا تھا غزلوں کا تانتا بندھ گیا
اور یکے ہی رو دو دیگرے ہی آید کی مصداق بالکل صادق آگئی۔ احباب کے
مجمع میں تجویز ہوئی کہ (چچا) کا کلام ضائع نہ ہونے پائے چنانچہ کلام کے جمع
کرنے کی تاکید اکید عمل میں آئی۔ گمنام صاحب جو (چچا) کے بزرگ خطاب سے
شہر بھر کے مخاطب تھے ہاپڑ کے بڑے بڑے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے۔
راقم الحروف بھی جب ہاپوڑ جاتا اور بدنصیبی سے ملاقات ہوجاتی تو اس روز
بہر دل کلام سننا پڑتا۔ ہاپڑ کے عظیم الشان مشاعرے کا زمانہ آیا اور چچا صاحب
نے بھی تیاریاں کیں چنانچہ عین مشاعرے میں انجان شاعر آپ کی شاندار سفید داڑھی

کو دیکھکر خدا جانے اپنے دل میں کیا کیا کہہ رہے تھے کہ آپ نے غزل پڑھنی شروع کی
ابتو مشاعرے کی رنگت ہی بدل گئی۔ مہذب لوگوں نے کسی نہ کسی طرح قہقہے کو روکا
اور ہمہ تن داد دینے میں مشغول ہو گئے۔ اور جن سے ہنسی ضبط نہ ہوئی انھوں نے
ظریفانہ داد دینے میں دل کی بھڑاس نکالی۔ چونکہ لوگ اکثر خاموش تھے مجمع احباب
کامگار۔ آپ ہاتھ میں رومال لئے دونوں ہاتھوں سے دور ویہ سلام لیتے ہوے
چلے جا رہے تھے چار پانچ سال کا عرصہ ہوا کہ انتقال کیا۔ اور صحیح گمنام ہو گئے
آپ کے کلام کی ظرافت یہی ہے کہ اُس کے مصرعوں کو دیکھئے اور اس کی
ناہمواری سے لطف اٹھایئے اور برابر والی الاہل کیف خلقت پڑھتے جایئے
نمونہ کلام میں وہ غزل لکھی جاتی ہے جو ہاپوڑ کے سنہ ۱۹۱۵ یا ۱۴ - کے عظیم الشان
مشاعرے میں پڑھی گئی تھی۔

اے زیب تاج خلافت تمھارے نور سے سر پہ عرش مخلل ہو گیا
اسم اعظم دافع رنج و محن شرک و بدعت کا قائل ہو گیا
ازل سے دل ہمارا رخ انور پہ مفتون و مائل ہو گیا
اس مضغۂ گوشت کو کواکب پر رتبۂ فوق الفوق حاصل ہو گیا
صفحۂ مردمک چشم مضموں رخسار کی نسزل ہو گیا
داغ جبیں سائی جانبازاں کا اکلیل مکلل ہو گیا
ہمنے نقد جان و مال وقف منظر کر دیا افلاس کامل ہو گیا
لطف و کرم سے مرتبہ الفقر فخری کا خوب حاصل ہو گیا

ہماری تپ مفارقت کے معالجہ کو یہ نسخہ مکمل ہو گیا
رخ پر نور کی طبا شیر و جبیں کا تل دانہ ہیل معتدل ہو گیا
تنگدستی سے ہمارا حال بنظر خلقت مستبدل ہو گیا
اے رحمت عالم اتبو مکافات زرشتی عمل ہو گیا
حاصل ہو لیاقت نعت کی دبیر چرخ کو غیر ممکن ہے
یہ فخر ازل سے گمنام نازک خیال کو حاصل ہو گیا

حرف لام

لا اعلم۔ اس گوشۂ گمنامی میں رہنے کے باوجود بھی آپ اتنے مشہور معروف ہیں کہ ہر شخص آپ کو جانتا پہچانتا ہے اور دل سے آپکے کمالات کا معترف ہے آپ کے چند شعر درج کرتا ہوں۔ سب سے پہلے ایک واسوخت (واسوخت) سنیئے جو پورب کے گنوار اور دیہاتیوں کی زبان میں کسی نے کہا ہے اور اس عمدگی سے کہا ہے کہ جواب نہیں ہے افسوس کہ باوجود تلاش بھی یہ پتہ نہ چل سکا کہ اس کے لکھنے والے کون صاحب ہیں۔

کاکہی کبھو الا کے کارکہت چیت رہے　　گاؤں ماں جائے کے کنکوت کھیت رہے
آپ پیٹھ ہم اسا پن کا سدا دیت رہے　　اپنے مہتوں سے بخر بھیٹ بھی لے لیت رہے
کاہے جرجائے کریج اب نہ تماکو ہوئے کے
نیہہ کی جھونجھ ماں ہم بیٹھے ہیں الو ہوئے کے

جو کہی تم تے دہیاست گجودھر جانیو　　ہمکا منئی نہ کبھو منئی کا ماکجہر جانیو
تمکا تائب کہا آپن تم اپن گھر جانیو　　اس کہیو کام نہ اب آپ کا لوکر جانیو
کہرچ کی اودسے تنگی نہ دہیو تم اکا
تمکا سونپت ہے رکھیو چین سے ٹھکرائن کا

جیو تو بیاکل ہے بہت کاکہی اب اپنی کتھا　　بیت تو ہوت مہارو گ ہے بس منئی کا
کھیمہ خُر پروا ماں جھودن تے سناصاحب کا　　کھوب بالن ماں ملا تیل کا جلیمن اینچا

دھر کے موڑے پہ چمکدار پٹریا نکسن
جیسے تنجات ہے پھن کاڑھو کے کریا نکسن

کالھو دوئی کوس پہ ان کا جو سناسب مکام
جیوہاں آدا کہ کرن جائے صاحب کا سلام

چڑھ کے گھوڑے پر بڑے ٹھاٹھ سے تھامن جو لگام
گھوڑ کس ہینگ بھرس کا کہی تم تے کا نام

پاؤں دھر دین رکابن میں جو تھیلا ایسے
ہم چلے جات رہے راہ میں چھیلا ایسے

ایک بگیا ماں پڑی پال رہی کہس لورت
بیٹھی احال رہی اک کامنی سندر مورت

ناب اب کا کہی بھوم اٹھے اس بھل صورت
ہم جو دیکھا تو رہی دور تے ہم کا گھورت

دھر کے کس منیح دھہن ہمرا کریجن جیسے
میکوا کا ہے نہی ہے نا کہت ہن جیسے

پھر کہاں تاب ہی گھوڑے سے کو دن جھم سے
من ماں یہ سوچ بھوا کیسے ملن جا جم سے

ہائے دیدی کہا اور بھوئیں ماں گرن لبس دھم سے
ہوئے گئیں گست تجب لوڑ گوا جیو گم سے

میکوا حال یہ دیکھس تو بہت گھبرا دا
بولا دوڑے کوئی ٹھاکر کو ہے مرچھا آوا

ہمری چھاتی ماں لگی سانس چلے جب گھر گھر
دوڑے گھبرا ج مہا پال بھون بلبھدر

گور منیچس کوئو اور کوؤ سنگھاوا انتر
اور کوؤ یہ کہس چیت ماں آد ٹھاکر

ہم مدا کہ وجتن سے نہ جگائے جاگن
گر پڑا دا جو بہت پیٹ تلائے بھاگن

ہم تلاے جو گئن جب تو دو چنچل بدکھاؤ
میکوا تے یہ کہن گا ہے رے باری ات آؤ

پال تے کھینچ کے پلگا تنی باہر تو بچھاؤ
تو ہرے ٹھاکر کا تو ہم بوجھو گئن سب چیناؤ

سہی پلگا پہ جب اہیں تو بیٹھائے باانکا

اُن کے بھینن کا مجا کھوب چکھے با اُن کا

ہم تلاے سے پھرن باگ ماں پلکا پاوا　　تب تو ادی چھیل چھبیلی کا تنک بلواوا
پاس بیٹھال کے اور نسے یہ ہم کہلاوا　　تم تو تگبیا مال ہوا کھوب کرت ہو کھاوا
ہم کہا اُنسے کہن آنکھ سے لگی نہ کرو
میکو اکا ہے کہن ہنسکے دلگی نہ کرو

دوس تو بیت گو اہمکا ہوئین باتن بات　　جب گئے سورج لکھے اور تنک آئی رات
ہم کہا اُن تے کہ ہم تو ہن اب گھر کا جات　　بولی رہ جلتے کی کچھ ہوت نہیں ہے ملیکات
اس نہ تم نہکی نہاک کو ؤکا جیو جارکے جاؤ
جی کے اب کا کرینے جات ہو تو مارکے جاؤ

اُن کی آنکھن سے لگے آنس بہے جب جھر جھر　　پھر تو تھامے نہ تھما جیو کا مسوسا ہو ہر ہر
ہم کہا رو ؤ نہ جیوا پنا رہت ہے پھر پھر　　ہاتھ چھاتی پہ رکھو آنچ ہے نکست بھر بھر
ہو سکت اب تو ہے اُہ تیر سے جاؤ بکیسے
بن کہے تمرے بھلا گور اُٹھاؤب کیسے

پھر تو بس ریجھ گئین بیٹھ ماں مکا مارن　　اُٹھ کے پلکا سے گئیں بال ماں دنیا بارن
ہانگ دے کے ہمسے انگوچھے کا بچھونا جھارن　　اور اسوئین کی مہا گاہ ادے ہم پر ڈارن
ہم کہا اُن تے کبھو کام نہ ایسا دیکھیو
گھر ج آین نہ کبھو ساتھو ہے سیدھا دیکھیو

بولے تم روج ہیاں کاہے کا آو اکر ہیو　　اور پھر روج نہ تم آئے کے کھاوا کر ہیو
ہم تو جانت ہیں کبھو منھو نہ دکھاوا کر ہیو　　بیٹھو بس تم ہیں بکو اس مچاوا کر ہیو
میکو اپیڑ تلے جائے کے جو کا دیدیے
دیدی کھٹیا ترے جیرا ہیں تو اوکا دیدیے

میکوا پھیر کے منھ ہمری تریہ دیکھنے لاگ　　ہم کہا ہمری یہ مرجات ہی ساری بھاگ
چولھا آپن توا لاگن بار کے اور لائے کے آگ　　جا کر ہیا میں جو کا نڈل کا ملے بھوبج دے ساگ

ہم جھٹ انکا کوئی بات کی سکلیپھ نہ ہوئے
ان کی دیدی ہے نہ مر دیدی کوئی جھینجھ نہ ہوئے

سانجھ تو ہوئے گئی اب جائے کے کریں اشنان　　آگے ٹنٹا ہے یہی ہم کا ہینت ہیں اوسان
آج کر من مان تو پوری کی لکھت ہیں بھگوان　　سیر آٹھ ایک لیہن کاڑھ لے تھیلا سے پسان

ہم اور تو ہم دوی منئی بھوک ہے کم ہوئے جیبھے
پن پیاوے کے لئے اتنی رکم ہوئے جیبھے

بانٹ پھر ساتھ کے منھین کا دیا ہم جھٹا　　اور کہا گاوں ماں تم جائے کے سینکو بھونرا
گھوڑ کا پیر ترے باگ ماں بندھوائے دیہا　　آپ کوئیاں پہ گئین جائے کے نہا دھووا

بستر ے پر جب پھرے کھوب لگا وا بیرا
ہم اور اوی دونوں جنے بیٹھ کے کھاوا بیرا

میکوا اتنے میں جو کا سے کہس ہمسے پگار　　آئے بھوجن کر و ٹھاکر ہے رسوئیں تیار
ہمتو چوکا ماں گئے اور دیہا پنھین کا اتار　　گوڑ کا دھوئے کے پھر بیٹھ گئے پلتھی مار

میکوا پرس دیہس ساگ و پوری جھٹ سے
ایک گھنٹے میں تو سر میٹ گئی سب ٹھٹ سے

پھر تو چوکا سے بھٹن جھاڑ کے چوتر باہر　　پیٹ پر پھیر کے ہاتھن کا ڈکارن اہار
پال ماں جائے کے اڑاین تنی سٹ سٹ نہ ر　　گوڑ مو پھیلائے کے پھر پوڑھ رہن پلکا پر

اوی کہن آئے کے لیٹ جب نے سوئے رہی
ٹرچلو بھوٹ کر دہم بھی تنی سوئی رہی

بھوڑ پائن تو گرے لاگ کے پھر سوئے رہن　　پھر تو اس سوئین کہ دونوں نہ جگائے جاگن

ادی مدا ہوت بھرے جو ذرا چیت بھئن ٹینٹ ماں ہمری روپیا رہے ٹوون لاگن

ہم کہا کا کریہو بولیس جو ہیتن ہیتم

گوٹ لہنگا میں گرنٹے کی لگاتی ہیتم

دس روپیہ رہیں بس ٹینٹ میں ہم کھولیا اور کہا لیو پران آج سیا دو لہنگا

پھر کہا اُن تے کہ ابھو جو بلیبا تم کا بولیں ہم کا جنین یہ حال تو جانے دیدیا

سن کے یو آنس تو آنکھن ماں تنک بھر آے

ہم مدا گھوڑے پہ اسوار بھئے گھر آئے

متفرقات لاأعلم

دختر کوتوال ظالم ہے بیگناہوں کو ٹانگ دیتی ہے

انگوٹھی تو یوں مفت پائی نہوگی سناروں کو جب ناک کھائی نہوگی

کنجڑن کی ایک چھوکری میں اسکو دیکھ چکا وہ اسکو دیکھ بولی سر کی اتار لونگی

مالن کی تھی وہ بیٹی بیچا تھی ساگ میتھی سویا تھا پاس آسکے جو چاہتی سو لیتی

دھوبن کی دوستی میں دل گھاٹ گھاٹ ہے لینگے کو جانتا ہوں کہ جمنا کا پاٹ ہے

دم دیکے دم کو لے لیا اسلام کو دیکھئے دو آنہ پیسے دیکھئے اور ہمکو دیکھئے

ہ ہ ہجر میں تمھارے پھ پھ پھٹ گیا کلیجہ م م مدتیں گزر گئیں پہ پہ پاس تم نہ آئے

س س سرو کے پہ پہ پیڑ پر قَ قَ قمریاں ق ق قوں کریں

پہ پہ پادشہ کے مزار پر رَ رَ رنڈیاں رَ رَ روں کریں

....

یہ میری چیز ہے کیوں دل تمھیں نہیں دیتا تمھارے باپ کی ہے جان بتلا میری

یہ دختر رز حرامزادی مردار مینا بازار کی ہے رہنے والی

ایک گھونسہ ایک مکا ایک جوتہ ایک لات — فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

اے موئے میاں وصف تری موٹی کمر کا — ہاتھی کی کمر پر قلم لٹھ سے لکھا ہے

مجھے دیکھو کہ میں بھی آدمی ہوں — جوانی کیا تمہیں پر پھٹ پڑی ہے

سمجھا کہ سر پہ رکھ کے مرا چاک پیچلے — دوڑا کمہار شیخ کی دستار دیکھکر

چاندنی رات صنم چاند نرالا نکلا — رنڈیاں مر گئیں بھڑووں کا دوالا نکلا

شنیدم شیخ جی در ضعف پیری — بہت سی کھلے گئے روٹی خمیری

صدائے گوز آمد چوں نفیری — بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری

که از بوئے دلا ویزِ تو مستم

تری الفت میں تو ہم نے لٹایا خانداں اپنا — تری الفت سے باز آئے اٹھا لے پاندان اپنا

دختر درزن کا سینا دیکھکر — جی میں آتا ہے کہ ململ دیجئے

ابتو اے درزن ہمارے جامہ کو تیار کر — کام ہے مجھکو شتابی آ ذرا سینے تو لگ

دھوبن کی چھوکری نے کس گھاٹ ہا آتارا — جب سے کہ کی ہے کندی تڑپے ہے دل ہمارا

لڑکی کمہار کی نے مٹکا کے چشم وابرو — دل چاک کر دیا ہے پھرتا ہوں لوٹا لوٹا

گرڑن کی چھوکری سے میں نے کہا نہ بکری — کری کیا محبت یہ کس نے بھیڑ ماری

جب سے دیکھا دختر تیلن کا تل — تل پہ تل خون جگر پینا ہوا

ت ت تم تو سنگدل ہو ص صبر کیسے آئے — ع غ پ چ چاہ میں تمہاری ڈ ڈ ڈبتا ہے یہ دل

دونوں رخسار عنایت کریں ایک ایک بوسہ — اب مرے واسطے سرکار سے چندہ ہے چلے

سو بوسے گر دیئے ہیں تو دس اور دیجئے — تسبیح میں ضرور ہیں دانے شمار کے

دھمکا کے بوسہ لیجئے رخ رشک ماہ کا — چندہ وصول ہوتا ہی صاحب دبا وسے

سمجھکر طالب بوسہ بگڑ کر بولے درباں سے — یہ کیوں آتا ہے کدھر کیا یہاں خیرات بٹتی ہے

خال کو چوم کے بوسہ گل عارض کا لیا — میں حبش سے جو چلا جانب لندن نکلا

جو پہلے بوسۂ پستان یار لیتے ہیں
وہ دودھ پر کی ملائی اتار لیتے ہیں

جب سے کہ انکی جالی کی محرم پسند ہے
سونے کی چڑیا چاندی کے پنجرے میں بند ہے

بند محرم کے کھلے ہیں اس بت مغرور کے
اڑ گئی سونے کی چڑیا رکھ کے انڈے نور کے

قدرت خدا کی دیکھئے پستانِ یار میں
پیوند فالسے کا لگا ہے انار میں

چھوا سینہ تو بولے مسکرا کر
کہ پانچوں انگلیاں ہیں اب تو گھی میں

جوبن ترا ابھار رہے انگیا میں اسطرح
جسطرح اپنی چھوتی کے اندر بیاہتا ہے

رخ انور پہ اُن کے ہے عیاں خال
یہ سیدھا ہے دودھ میں مکھی پڑی ہے

نہ گھبراؤ ابھی مرغ سحر سے
چراغوں میں ابھی بتی پڑی ہے

نہ کیوں ہو کم سنوں کی شربت دیدار میں لذت
مزا دیتا ہے جب پانی تلک بھی کورے برتن میں

ہے شب وصل بولو آہستہ
چارپائی بھی کان رکھتی ہے

مدت کے بعد پائی ہے ہمنے شب وصال
دو چار سو برس تو الٰہی سحر نہ ہو

یاد آتی ہے جو عورت کسی متوالی کی
گو مسلماں ہوں کہہ دیتا ہوں جے کالی کی

تم کو لازم ہے پکڑو اب میرا
ہاتھ میں ہاتھ با محبت و پیار

خوب کروایا اب تو مت کروا
مجھکو رسوا بہ کوچہ و بازار

حکم ہو وے تو آج ماروں میں
کھینچ کر پیٹ میں عدو کے کٹار

ہے یہی آرزو کہ ہم بھی لگیں
تیرے قدموں سے مثل رنگ حنا

خوب پکڑا حضور نے سر بزم
غیر کا ہاتھ مجھکو سمجھا کر

کیوں جھجکتے ہو جب ہیں ڈالا ہو
ہاتھ گردن میں پیار سے آکر

جی میں آتا ہے کہ رکھدوں آپکے
عطر کا پھاہا لگا کر کان میں

ہولی خالی نہ جانے پائے بھائی
منھ کالا ہے یہ حال جم رہی ہے کائی

ساقی کو یاد کر رہے ہیں سب رند ‏— بل آنے پہ دیدیتے ہیں پائی پائی

بڑی بھبنار ہوئی کی جو بھیا ہمرے سُن پائن ‏— بلوا بن بھیج کے نوا کے ہاتھن ہمکا بلوائن

بڑی خاطر سے دست ہمرا اکپڑ کے لیگئے بھیتر ‏— بچھونا وہ رسوئیاں والے کے کمرہ میں بچھوائن

گلوری دان چاندی کا کہن بھگوا سے لیے آو ‏— دساوری پان بھی منگوائے کے بھوجی سے لگوائن

کچوری پوری - رٹری آل مو بھڑا اور برفی تیکونے ‏— وہ بھوجی لوک ناہتن سے وہیں چکوا سے منگوائن

گزک چٹنی اچار ادرک بھی رکھن بھوجی پتا پر ‏— ٹرکیا اور پیٹریا گھر میں اپنے خوب پکوائن

غرض ہم کہہ سکت ناہیں بڑی خاطر بھئی ہمری ‏— ہمیں تو پیٹ بھر کے خوب اچھا کھانا کھلوائن

بدل لہنگا دوپٹہ بھوجی گاون ہاری بلوائن ‏— ہمارے قرب ماں ہٹلائے کے گانا خوب سنوائن

عبیر اور بکا سب کدارہا بھر بھر کے تھریا میں ‏— ملن بھی ہمرے گلوا ماں اور اپنو خوب بلوائن

منگائس دار دمہوا کی بہت عمدہ سی اک بوتل ‏— بڑے ہی شوق سے بھر بھر کے کلہڑ میں وہ پلوائن

دہت ترے عشق کے آزار کی ایسی تیسی ‏— کون جھنجھٹ میں پھنسے یار کی ایسی تیسی

جو کہ غیروں پہ مرے اسکی محبت کیسی ‏— ایسے بیہودہ دل زار کی ایسی تیسی

گھورنے کے لئے اچھے ہیں دکھانے کو علیل ‏— یار کی نرگس بیمار کی ایسی تیسی

سوکھی روٹی پہ قناعت ہے مجھے اے جانی ‏— تم بغل میں ہو تو زردار کی ایسی تیسی

بات کرتے ہی وہ چپندیا چپت دیتا ہے ‏— ایسے معشوق بد اطوار کی ایسی تیسی

ہوا اتنا میں لاغر لیٹے لیٹے مجھکو موت آئی ‏— اٹھانے کو جو لوگ آئے ملا مُردہ نہ بستر پر

لاغر ہوں میں اتنا کہ نگلجا سکے چیونٹی ‏— اٹکے نہ گلے میں یہ تن زار بھی میرا

. . . .

جب میں کہتا ہوں کہ گیہوں کس ڈیر ... ہنسکے فرماتا ہے یوہی ٹھیک ہر
غریبوں پہ مت ظلم کر اے ڈیر ... میں قربان جاؤں اگر کم ہیر
بتائیں تمہیں لالہ صاحب کہاں ہیں ... یک و نیم میں بیٹھے پیوتا ہیں عنجا (ڈکو ٹریتی)
خسن کے سبب بند طاوسنی شد (دھورہی) ... کہ اتھمن میں بہوت ہیں پانی کے ریلا (کلی)
رسوتن میں پکیت ہیں کھانے غدیق (ذائقہ در) ... بکرین کے قلیا مچھرین کے شروا
للن کے ذرا بخت عالی تو دیکھو ... خسر فوت شد اور حسر یا بقا یا

لااُبالی مرزا لااُبالی کے تخلص سے اودھ پنچ سابق میں واقعات حاضرہ پر ظریفانہ شعر لکھتے تھے نہایت مشاق معلوم ہوتے ہیں ہر رنگ کے شعر آپ کے یہاں ملتے ہیں۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۴ء کے ستمبر میں بارش زیادہ ہوئی اور ایک طوفانی سی صورت پیدا ہو گئی تو آپ نے ایک بڑا مسدس لکھا جس کے چند بند لکھتا ہوں۔

دریا الٰہی ابر سے کیونکر پھسل پڑا ... کیوں ابر بھی نہ اسکی برابر پھسل پڑا
بجلی گری ہے یا کوئی جوہر پھسل پڑا ... اس شوخ سیمبر کا جو جوہر پھسل پڑا
سنہ چار کی کمر سے ستمبر پھسل پڑا

سڑکوں پہ دیکھیے تو گدھا ہی کہیں پھنسا ... چنگھاڑتا ہے اونٹ کہیں پر پڑا پڑا
گھوڑے کا دم ہے ناک میں تیرتا نہیں ذرا ... ہاتھی بھی فیل خانے کے اندر ہی رہا
چوہا بھی اپنے بل سے نکل کر پھسل پڑا

گر چھپکلی کواڑ سے نکلی پھسل پڑی ... بلی کہیں جو آڑ سے نکلی پھسل پڑی
ہرنی کہیں پہاڑ سے نکلی پھسل پڑی ... چیونٹی بھی جب دراڑ سے نکلی پھسل پڑی
لنگور گر پڑا کہیں بندر پھسل پڑا

سب شہر سنا کے کیچ میں مرغا اٹک رہا ... ٹڈی زمیں پہ آ رہی ٹڈا پھسل پڑا

پڑی تو لت پتا گئی پڑا اڑ ٹہک رہا   چلائی چیل پانی میں کوا اڑ ٹہک رہا
چھتری پہ بیٹھے بیٹھے کبوتر پھسل پڑا

تیزی میں ڈاکیہ کوئی چٹ پٹ سے آرہا   صاحب بھی آتے جاتے میں کھٹ پٹ سے آرہا
الجھا جولاہا پان میں او جھب سے آ رہا   کوئی تو چت گرا کوئی کروٹ سے آرہا
بابو کہیں ڈھلک پڑا ماسٹر پھسل پڑا

کل ہم شریک ہونے گئے اک برات میں   پھسلن مذاق کرنے لگی بات بات میں
سمدھن لڑھک پڑی سمدھی کے ساتھ میں   سالے سلج کی گتھ سی گئی لات لات میں
دولہا دولھن کو لیکے سراسر پھسل پڑا

پلٹن پھر ایک باجہ بجانے میں آرہی   بھانڈوں کی صف بھی باتیں بنانے میں آرہی
یہاں ڈومنی جو راگ سنانے میں آرہی   کسبی وہاں وہ بھاؤ بتلانے میں آرہی
باہر کوئی گرا کوئی اندر پھسل پڑا

کل شب جو بزم عیش ہیں دور شراب تھا   ساقی تھا ماہتاب قدح آفتاب تھا
بدمستیوں میں جوشش شوقِ شباب تھا   پامال تھی حیا نہ خیال حجاب تھا
اسپر گرا جو غیر وہ مجھپر پھسل پڑا

پہلے تو ٹرہکے ساقی پرفن نے ٹانگ لی   بھاگا جو ادبدا کے تو رہٹن نے ٹانگ لی
کیا رند میگسار کی چتون نے ٹانگ لی   پھر ہوش اور حواس کی ان بن نے ٹانگ لی
کل شیخ میکدے میں مکرر پھسل پڑا

شبرات کے متعلق اک بڑی نظم ہے اس کے بعض بند سنیئے۔

کیا شور ہے جہان میں کیسا ہجوم ہے   چل پھر ہے کیس دوش کی ہے کیسی دھوم ہے
حلوا پراٹھا پکا ہوا بالعموم ہے   جاری ہر اک سمت ادائے رسوم ہے
اس کھل بلی میں پڑھتے ہیں اطفال ہر گھڑی

آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

پھرتے ہیں لڑکے آج مچھندر بنے ہوئے — کرتب عجب دکھاتے ہیں بندر بنے ہوئے

نعرے لگا رہے ہیں قلندر بنے ہوئے — دریا میں آگ کے ہیں سمندر بنے ہوئے

چڑھ کر سناتی باد ہوائی ہے یہ بڑی

آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

شوخی ہے بیہودہ شرارت کا راج ہے — زوروں پہ دل لگی ہے حماقت کا راج ہے

پاتا نہیں مزاج جہالت کا راج ہے — آفت کا راج ہے یہ لیاقت کا راج ہے

غوغا یہ کر رہی ہے چھچھوندر پڑی پڑی

آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

"مذہب کا سفر در وطن" ایک نظم ہے جو نہایت ہی خوب لکھی ہے۔

شور و غوغا کیا ہے یہ مذہب گیا مذہب گیا — کیوں گیا کیونکر گیا کس جا گیا اور کب گیا

گر گیا لندن کو تو وہ معدن تہذیب ہے — سمجھو یوں برج شرف میں دین کا کوکب گیا

جا لیے جدے کو مرکب ہیں ہزاروں کیا حرج — اکا دکا گر کوئی یورپ کو بھی مرکب گیا

ساغر مے نقد کوثر لیڈیاں ہیں نقد حور — کھل گئی جنت کی کھڑکی لب سے گر مل لب گیا

ہم نہیں ہندو کہ جائے کھانے پینے سے دھرم — جانے دو گر چھوٹ سے دین سری دب گیا

کیک کا ٹکڑا کوئی اترا اگر ہے پیٹ میں — ہے یہ ارشاد زباں اچھلی گیا اغذب گیا

کوششیں لوں سے لفافہ ستر پوشی مدعا — یہ کہا کس نے لفافہ سے بدل مطلب گیا

آئی گر تہذیب ہم میں کچھ خوشی آمد خوب شد — گر تعصب چل دیا اوچی گیا انسب گیا

بڑھ گیا ہے جوش قومی ہے ترقی کی دلیل — یہ بھی اچھا جوش ہی گو جوش مذہب گیا

گرچہ ہاتھوں نہیں وہ لمبی لمبی تسبیاں — دل سے بھی گرچہ خیال فرض و واجب گیا

داڑھیاں منڈی مریدا سمیں بھی ہے اک فائدہ — شاہ صاحب کے تلب سے اندیشہ عقرب گیا

ہر جگہ کاغذ کا استعمال ہے بے پیش و پس | تھا کٹ ڈھیلوں کا ڈھب اچھا ہو ڈھب گیا

اب کہئے تو کیا نہیں یہ باسی سید | موجود ہیں نت نئی نواسی سید
کیوں شیخ مغل پٹھان نہ ہیں صاحب | حجام ہوں میر اور مراسی سید
کیا خوش ہو کوئی شریف مہتر مسٹر | پھرتے ہوں جہاں ہیں جب الکھتر سید
مسٹر نہ بنے گا اُن سے بہتر کوئی | صاحب ہیں چمار اور مہتر سید

کہتے ہیں کہ کالے ہیں بڑے ہی بے شرم | یہ بات تو سچی ہے عجب ناک بھی ہے
ہوتے ہیں بڑوں کے بھی مقابل چھوٹے | اس میں تو حیا کھلی ہے اور باک بھی ہے
رشیا پہ منھ آنے میں اسکو کیا لاج | جاپان کو جو شرم ہو کہیں خاک بھی ہے
کٹ جائیگی ناک کیا جو ہوگی بھی شکست | منھ پر تو ذرا دیکھئے کوئی ناک بھی ہے
جاپان کی روس سے یہی ہے تشبیہ | نمرود کے پشہ کا قدم ناک میں ہے
گر ناک بھی ہوتی تو قیامت ہوتی | منھ پر جو نہیں ناک تو دم ناک میں ہے

لافر۔ اودھ پنچ سابق کے ایک بے مثل ظرافت نگار ہیں حالات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوئے۔

ایک چڑیا وہ یوں اڑے پھر سے | بال صیاد کٹ گئے دُھر سے
سانجھے تار و پود شوخی کو | ہزل گوئی کے خوشنما تر سے
وہ خفا ہیں تو کیوں منا دیں ہیں | میری جوتی سے جوتی کے گھر سے
بلبلیں باغ میں جھک اُٹھیں | میرے نالوں کے دلنشیں سُر سے
مر گیا ہائے رے دل بسمل | لوگ آ آ کے دیتے ہیں پُر سے

بزمِ زنداں میں حضرتِ واعظ
کیا ہی بیٹھے ہیں دیکھئے رُٹے
لاکھ پٹی پڑھائے غیرِ انفس
ہم لگا لائیں گے کسی گُر سے
واہ رے ہم کہ عین بارش میں
وہ چلے آئیں پائنچے گھر سے

ایک تو ہم مزاج کے کھرّے
اُس پہ غصہ مرے پہ سو دُرّے
ایسا سمجھیں کہ تم بھی یاد کرو
روز جیتے تو ہو بہت غرّے
دعوئ پارسائی اور یہ منھ
واہ شاباش مرحبا ہُرّے
کیا انوکھی غزل لکھی لاغر
شاعری میں بھی لگ گئے ٹھرّے

سمجھ میں نہ آئے کسی بیل کی
سناتا ہوں وہ نظم میں ذیل کی
مری شاعری کی بڑی دھوم ہے
نہ سمجھے جو کوئی نرا بوم ہے
پڑا ہے جہاں میں مرا غلغلہ
نہ مانے جو الّو کی دم فاختہ
ندارد جہاں ہم چو من دیگرے
بفہم اشترم و بہ دانش خرے
سنانِ الف را چو شر در کشم
تلا را بہ وزنم مٹر بر کشم
بگیرم چو در جنگ یک گرز دار
گریزاں شود مولوی کھانڈے دار
بگلزارِ معنی چو من بلبلم
چرا پس نہ صد بلبلہ بلبلم
مرے بلبلانے میں یہ بات ہے
کہیں بات ہے اور کہیں لات ہے

نہ چھوڑا کھانسنے میں شیخ جی نے قند لب آ سکا
یہ حال لب بھی پارہ ہے ربا لسوس ہیں گویا
گر خاصی ہے فٹ بھر کی تو منھ بھی جا ہی ڈیوڑھیا اونچی
مگر یاں شاعروں کو یہ تو نامحسوس ہیں گویا
دوائیں ان کی یہ اعجاز ہیں اکسیر ہیں یا کل
اطبا اشتہاری سب جالینوس ہیں گویا

زباں جو کچھ بھی کہتی ہے یہ دانش کو سناتے ہیں — کھڑے دونوں طرف کانوں کے دو جاسوس ہیں گویا
یہ لو یادش بخیر آہی گئے وہ حضرت لافر — یہی بے ننگ تو غارت گر ناموس ہیں گویا

پھل لگے قامت دلدار میں قہ قہ قہ — معدن لعل لب یار ہیں قہ قہ قہ
بلبلیں کرتی ہیں کیا باغ میں چہ چہ چہ — خندۂ کبک ہے کہسار میں قہ قہ قہ
کلیاں کھلتی ہیں ترے ہاتھ سے کھل کھل کھل — پھول ہنستے ہیں ترے ہاتھ میں قہ قہ قہ
ہائے وہ شوخ حسینوں کی شرارت باہم — ہی ہی ہاکی وہ میں تو دو چار میں قہ قہ قہ
بھول کر بھی جو دل زار ذرا ہنس دیتا — گو نجتی گنبد دوار میں قہ قہ قہ
شوق مینوشی میں رندوں کی وہ ہا ہا ہو ہو — بطمے کی بھی وہ ہر بار میں قہ قہ قہ
قہقہے ساقی و ساغر سے صراحی کے کہیں — قلقل و مینا و میخوار میں قہ قہ قہ
قمریاں ڈھونڈھتی ہیں سرو کو کو کو لب جو — پا بگل قید وہ گلزار میں قہ قہ قہ
فرط اندوہ میں بیتاب پڑی لوٹتی ہے — کسنے چن دی ہے یہ دیوار میں قہ قہ قہ
لپٹتے پیچ یہ مضحک ہیں الٰہی توبہ — باندھی ہے شیخ نے دستار میں قہ قہ قہ
گدگدا دیتا ہے رہ رہ کے یہ مضراب ستار — دوڑ جاتی ہے جو ہر تار میں قہ قہ قہ
کھیلتی کیسی مگر شوخ لبوں پر ہے ہنسی — کیا ہی وہ غنچۂ گلزار میں قہ قہ قہ

حرف میم

ماجد۔ ان کی ایک غزل نظر پڑی جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی فحش گو ہیں۔ اسی غزل میں سے میں صاف صاف اشعار نقل کرتا ہوں۔ جو الفاظ غیر مہذب ہیں ان پر نقطہ دیئے جائیں گے۔

لطف دیتا ہے مرا وصل پہ شاداں ہونا ۔۔۔ اور اس شوخ کا رہ رہ کے پشیماں ہونا
لطف تو جب ہے کہ ہوں دونوں بہم وصل کی شب ۔۔۔ چاہئے تمکو مرے ساتھ مری جاں ہونا
صاف بتلاتا ہے کمسن بھی ہیں ناداں بھی ہیں یہ ۔۔۔ انکا ۔۔۔ کی درازی سے پشیماں ہونا
خوف ہے ان کو کہ ڈاکہ نہ پڑے صحرا میں ۔۔۔ چاہئے ۔۔۔ کے پھاٹک پہ نگہباں ہونا
وصل کہتے ہیں کسے سن لو اسے غور کے ساتھ ۔۔۔ کسی ۔۔۔ کا کسی ۔۔۔ میں مہماں ہونا
غیر نے جب شب وصل اکڑنا کیا تھا ۔۔۔ ایسے موقع پہ ضروری ہے اکڑے خاں ہونا
کہہ دے شایستہ غزل ایسی کوئی تب میں جانوں ۔۔۔ ورنہ ممکن نہیں ماجد سا سخنداں ہونا

مبین۔ حافظ قطب الدین دہلوی کے صاحبزادہ تھے جن کی شوخی کلام بعض اوقات میں ان کے کلام کو حد ظرافت میں لے آتی تھی۔ نہایت نیک نفس خوش مزاج آدمی تھے تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب کے وقت زندہ اور بخیریت تھے۔ نمونہ کلام بہت کم ہے زیادہ کلام اس رنگ کا دستیاب نہیں ہوا۔

نزع کے وقت جو وہ حور شمائل آیا ۔۔۔ ملک الموت کو بھی غش مرے شامل آیا

ہے شیشۂ دل ٹکڑے ہر رند قدح کش کا　　میخانہ میں ماتم ہے ماہ رمضاں آیا

مجرو۔ محمد پناہ نام تھا۔ دہلی کا رہنے والا نہایت خوش فکر خوش مزاج تھا۔ فکر مضمون عالی تھی مگر کچھ طبیعت کا اقتضا اور کچھ لوگوں کا تقاضہ دونوں مل کر ہزل کہنے پر مجبور کرتے تھے عموماً مقطع ظرافت کے رنگ میں ہوتے تھے۔ اور کبھی کبھی پوری غزل اسی رنگ میں کہہ جاتا تھا۔ اور اسپر طرہ یہ کہ مشاعرہ میں پڑھتے ہوئے کبھی نہ جھجکتا تھا۔ خود کو ذرا بھی ہنسی نہ آتی اور دل کو ہنساتے ہنساتے لٹا دیتا تھا نمونتاً ایک مقطع ملاحظہ ہو۔

اس چاند میں فلک کا مجرو سے گھر بیٹھا　　اس ماہ سے نکاح کی جو رسم وراہ کی

محسن غالباً محمد محسن نام ہے خان پور ریاست بھاولپور پنجاب کے رہنے والے ہیں عرصہ تک بہ سلسلۂ ملازمت لکھنؤ میں مقیم رہے اب ریٹائرڈ ہوکر عرصہ سے اپنے مالوف میں مقیم ہیں ریختی گوئی میں ایک حد تک مہارت پیدا کی ہے۔ ایک دیوان چھپوایا ہے۔ جس کے دیباچہ میں جان صاحب سے مقابلہ کلام بھی کیا ہے۔ اور اسبات پر فخر کیا ہے کہ جان صاحب کے مقابلہ میں ہمارے کلام میں ایسے غیر مہذب الفاظ نہیں آئے ہیں جن کو دیکھکر کوئی متین سے متین طبیعت بھی نفرت کرے ہمارے نزدیک مصنف کا یہ دعوی صحیح ہو یا نہ ہو۔ مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ ابھی تک یہ ریختی کی اس حد پر نہیں پہونچے جہاں جان صاحب یا اُن کے معاصر پہونچ چکے تھے۔ ان کے دیوان کو ان اساتذہ کے مقابلہ پر لانا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ محسن اور مختفا دونوں تخلص سے متخلص ہیں انتخاب دیوان یہ ہے۔

ہوتا بسم اللہ سے آغاز ہے دیوان کا / راز سربستہ ہے باجی وہ در قرآن کا

ہے یاد بندی کو بھی وہ لٹکا پھریگا پھڑوا ڈوپٹے جھٹکا / نہیں نگوڑے کا کچھ بھی کرسکتا ہو کوئی دشمن ہزار اپنا

بگاڑ دنگی میں بھی حال گھر کا وہ ڈالیں مجھ پہ یاں گھر کا / کھلا کے رنڈی کو مال گھر کا نکالیں مجھ پہ بخار اپنا

ہے ساس کا ہیکو سوت ہے وہ ہماری ہر طرح سوت ہے وہ / نہیں ہوئی ہوتی نوج ہے وہ بگاڑا دشمن نے یار اپنا

کھیل سمجھا ہے سفر بھڑوا عدم آباد کا / حوصلہ دیکھو تو گوئیاں اس موئے ناشاد کا

کسبی کے گھر سے لگا کر بھیجتے ہو پان تم / واہ کیا کہنا ہے مرزا آپکی اس یاد کا

نند کی چالو نے چلکر آگئی ہیں جال میں / تھا سبب بیگم بوا یہ رنج کی بنیاد کا

بات تو شیریں کی رکھ لی تھی ہزار و نوج بوا / گو بلا سے پھٹ گیا سر بھی میاں فرہاد کا

بیٹھنے پائے نہ تھے جوتڑ اٹھا لے چلیئے / خاک نکلے حوصلہ شوق دل ناشاد کا

جوے کی لت بھی لگا دی موئے نواب کو اوئی / زندہ در گور ہو باجی موا دشمن انکا

پچھلے ساون میں تو تھے سوت کے گھر میں دولہا / دیکھئے اب کے کہاں ہو بوا ساون انکا

دولہا بھائی پہ موئی ہو گئی ہو عاشق / گوندھتی ہار ہیں کیوں نام ہے مالن انکا

پھر گیا طبلہ بجانے آج گوہر جان کا / کیسا ننگا ہے نگوڑا باپ چندر بھان کا

ہوئے ڈھول خالی شیخ جی تم / خوب ہم نے بجا بجا دیکھا

گھروندے یوں تو بہت دیکھ ڈالے بیگم نے / مزا ملا نہ مگر شیخ جی کے گھر کا سا

نگوڑی وصل کی شب بھی ہوا نہ چین نصیب / لگا رہا بوا کھٹکا موی سحر کا سا

روٹی ممکن نہیں بھڑوے سے تو کپڑا کیسا / چھوڑو دہگڑے کو اری روز کا جھگڑا کیسا

کالا منھ نوج ہو ایسا کسی بندی کو نصیب / داڑھی منڈا موا لگتا ہے بھجنگا کیسا

شوق سے آئیں وہ جب چاہیں تکلف کیا ہے / دولہا بھائی سے مجھے اے بوا پردا کیسا

کسبیوں کی سی نہیں وضع تو پھر ہے باجی / اری پاجامہ کی گوٹ میں لچکا کیسا

جس سرزمیں پہ جائے ہے آسمان نصیب / گوئیاں ری ایک سا ہی یہاں اور دکن نصیب

دیگی وہی کبوتری انڈے میاں کے گھر
ہو جس لنڈوری کو کہیں آشیاں نصیب

خام ہے یہ ادھیڑبن گیاں
چھوٹتی ہے میاں سے کسبی کب

آج داروغہ کی کل ڈپٹی کی
رہتی گو ہر کو ہے بیگار بہت

لگائی جو بوسہ کی مرزا نے رٹ
کہا باجی نے دت موئے دور ہٹ

انواسی ہے کوری نہیں گوری نہیں رنڈیا
اسیر بھی ہے سرکار کی منظور نظر آج

دربدر بھیک ہی مانگے گا بوا میرے بعد
یاد رکھنا یہ مری بات بوا میرے بعد

سایہ مرزا کا پڑ گیا جو کہیں
ہو گئیں دیکھتے ہی اماں سرخ

جیتے جی شرم نہ محسن کو جب آئی گوئیاں
خاک آئے گی نگوڑی کو حیا میرے بعد

کیوں نہیں کہتے صاف مطلب کی
میری چتر ہیں نگوڑے پیار کے لاڈ

ایک دو تین اوئی بوا حد ہے
کسطرح اٹھیں چار چار کے لاڈ

اب نہ جائینگے چھنالوں کی گلی میں مرزا
قسمیں کھاتے ہیں بوا رکھتے ہیں قرآں سر پہ

یہ رسیلا یہ رنگیلا یہ سجیلا ہو کر
پھلکی والی پہ موا مرتا ہے مرزا ہو کر

ردی کپڑے کو بھی ایگم بوا احتاج ہے
آ گئی تھی چال میں ڈپٹی کلکٹر دیکھکر

کرے گا خاک موا بیوفا وفا کا لحاظ
نہ بوڑھی اماں کی ہو جسکو اپنجا کا لحاظ

رنڈی نگوڑی کی فقط گھات کا لحاظ
دن کا لحاظ ہے نہ انھیں رات کا لحاظ

مانا کہ ہم نے سوت کو کروا دیا حقیر
یہ تو بتاؤ کس نے یہ جھگڑا کیا شروع

ایک کو نوکر رکھا یا ایک کو چھڑوا دیا
ہیں مصاحب اُن کے کٹنے منہ لگے مردار حیف

ہے رنگیلی ترا لوٹ رہا میاں اللہ کی عطا
پپلے منھ کا خمیدہ ہوا کھوسٹ عاشق

چمن میں جا جا کے رنڈیوں کو بلا وگے یوں شراکب تک
کباب کھا کھا کے سوت کے تم کرو گے ہمکو کباب کبتک

اجی وہ بالا نہ لاؤ گے تم یہ ٹالا کب تک بتاؤ گے تم
کبھی تو گھر پہ آؤ گے تم کرو گے ہمکو کباب کبتک

موا نشے میں یہ بھڑ ہے ہیں پاؤں ہی پہ نیچے سر ہے
نہ روٹی کپڑا نہ گھر ہے نہ در ہے پھر غم نہ دکھ کی خبر اب

بھڑ میرے سالنے وہی چھل بل کی بات ہے
رہ تو سہی لگاؤں تجھے بانکپن ہی آ گیا

ہوئی بیخود شرابی یاد آیا
اری لینا بوا گوہر چلا دل

نہ جھوٹ بولیں گے چار میں ہم ہیں دونوں یکتا ہزار میں ہم
ہیں برق طبلے ستار میں ہم ہیں آگ بھی ہم ہیں پانی رباب میں ہم

چھپیں کھا کھا کے بوا چور ہوئے بیٹھے ہیں
آج وہ سوت سے مغرور ہوئے بیٹھے ہیں

بوا مغلانی بھی کیا خوب ہے حقہ نہ چھوا
موئی بیگم کو تو چانڈو بھی پلا لیتے ہیں

رنڈی کے چھوڑنے کو جو کہتی ہوں چھیڑ کر
دیتے ہیں گالیاں مجھے ہنسکر جواب میں

ساون میں سوت کو نہ اگر دیں بوا طلاق
پہونچاؤں ہیچ ہاں یہ نگوڑی جہاں کی ہیں

دل کو ٹرایا موا مجھسے ہارا رات کو
ڈھونڈھتا پھرتا تھا تکیے کا سہارا رات کو

بھیجا سالن گھی کا بھر چوری جو ہی آنکھیں
دیکھو بھٹیاری نے پھر نخرہ بگھارا رات کو

چھوڑ کر زلفِ دوتا رخ پہ بوا میں سو گئی
وہ بچا یا ہی گئے اپنا دو تارا رات کو

رکھا جب مرزا نے ساغر کو ہری کے ہاتھ پر
پی گئی لیکر موئی سارے کا سارا رات کو

پھر دانت آج شیخ سے لگوا کے آئی نہ
دیکھو تو گالوں کو بوا انگوا کے آئینہ

کوشش کرو کہ مرزا سے بیگم کا ہو ملاپ
گوئیاں ملانا ہجر زدوں کا ثواب ہے

دم الجھتا ہے بوا سینے کی باتوں سے مرا
مجھکو تو سوئی نگوڑی نہیں چھو آتی ہے

تربت پہ آکے بھڑوے نے ماری جو ایک لات
سو سو قدم پہ جا پڑے تختے مزار کے

میرے ہی سامنے موی کسبی سے دل لگی
بس بس نکل چکے مرے ارماں چاہ کے

مجھے بیوجہ بھڑوا مارتا ہے
بڑا بیدرد میرا مردوا ہے

دل اسکی تیغ ابرو پر فدا ہے	وہ گورا لونڈا جو کپتان کا ہے
نہ مارو شیخ کو بے موت باجی	نگوڑا آپ ہی وہ مر رہا ہے
نہ نکلے گھر میں ڈولی کے بھی پیسے	بڑا نواب کا سالا بنا ہے
ننگی نگوڑی باتیں بھی اور سب کے سامنے	کچھ تو حجاب پیارے میاں رمیاں رہے
ساتھ لونڈے لئے پھرتے ہو یہ صحبت کیا ہو	لت نہیں ہے تو میاں ان کی یہ گت کیا ہو
بوا رو دیں مجھے جب بیچلے وہ	بُری ہوتی نگوڑی مامتا ہے
بناتا ہے موا دل لیکے باتیں	بڑا محسن نگوڑا مسخرا ہے

محشر - عبد اللہ خاں نام - رام پور کے رہنے والے تھے ریختی کہنے اور اسکو پڑھنے میں کمال حاصل تھا - ریختی میں خانم جان تخلص کرتے تھے - میں نے اصل تخلص ہی میں لکھنا مناسب سمجھا - مولوی عبد الغفور صاحب نساخ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان میں ایک بڑا عیب ہے کہ اوروں کے شعر اپنے نام سے پڑھتے ہیں - مگر افسوس کہ کوئی شعر ان کا نہیں ملا -

کہیں تم جو چلے میں بھید کچھ اُنسے نہ کہہ دینا مری اچھی بوا یہ مردوے مطلب کے ہوتے ہیں

مشتاق اشتیاق احمد نام ہے - سلون ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں - گل باغ مراد مادۂ تاریخ پیدائش سے آپ کے والد حافظ سردار احمد ایک نامی وکیل تھے - مرنے کے بعد کافی جائداد چھوڑی جو تخمیناً ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ منافع کی ہے - اسی سے نہایت خوشحالی کے ساتھ بسر اوقات کرتے ہیں - اور محض اسی جائداد کی وجہ سے اس قصبہ میں قیام ہے - ورنہ آپ کا آبائی وطن نارہ ضلع الہ آباد ہے - فارسی عربی کے علاوہ انگریزی کی تعلیم ایف اے تک

حاصل کی۔ ۱۸۹۷ء سے شعر کہنا شروع کیا۔ جناب شیر مچھلی شہری سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ آپ کی تصانیف بھی بہت سی ہیں جن میں سے بعض نہایت قابل قدر ہیں۔ دو دیوان عاشقانہ۔ ایک نعتیہ۔ دو مثنویاں ایک تاریخ سلون۔ افتخار الکلام دیوان قصائد قابل ذکر ہیں نعتیہ کلام میں اکبر کا رنگ پسند فرماتے ہیں اور انھیں کا تتبع کرتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ہو چکی اندر سبھا اب ہے کسانوں کی سبھا — کیا زمیندار وں کی قسمت میں الٰہی ہے لکھا

دکھلایا جیل ترک موالات نے مجھے — لیڈر بنایا میری حوالات نے مجھے

ان جلاہوں کے لیے اسکیم گاندھی چل گئی — لیڈر سو سرکار میں بیٹھے بٹھلے چل گئی

امن ہو رخصت اگر قانون شکنی کھو ہیں — اینٹ سے اینٹیں بجیں غارب جو جمنی ہو ہیں

آپکے دل میں اگر وقعت ہے میری رائے کی — لیجیے سوراج کے خاطر حفاظت گائے کی

تھا وہی جسکی نہ ہو یہ بحر وہ مواج ہے — ہند میں جو شے نہیں ملتی وہی سوراج ہے

جس زمانہ میں مقید ہو گئے تھے موتی لال — ق — اک محب خاص کو میں نے جو پایا درد مند

میں نے انسے کہدیا یہ رنج سب بیکار ہے — خود خدا رکھتا ہے اندر سیپ کے موتی کو بند

ایک نے پوچھا کہ اب ہے ہند میں کیا چیز سہل — کس میں شوکت آجکل ہے کس میں حاصل شان ہے

بے تکلف یہ دیا اس شخص کو مینے جواب — آجکل لیڈر کا بنجانا بہت آسان ہے

مائل بہ ترحم جو ہوے ہند یہ گاندھی — سوراج کے لینے پہ کمر آپنے باندھی

مہوے کے خنجر جڑ سے اکھڑ کر گرے لاکھوں — جب سال گذشتہ چلی ترمیم کی آندھی

مفید اُن کو کوئی تعویذ گنڈا کیوں نہیں ہوتا — بڑی حیرت ہے ہمکو اُن کے ڈر کا کیوں نہیں ہوتا

نہ بولینگے کبھی مرغان اسلامی یہ گکڑوں کوں — بتاؤ ہند بھر شدہی کا دریا کیوں نہیں ہوتا

ملتی ہے گر جا کی چھٹی ہم وہاں جاتے نہیں — ہے حجامت یا نہانا منحصر اتوار پر

مال میں پٹواری صاحب ہوتے ہیں اصل الاصول — ہے پولس میں کام سب موقوف چوکیدار پر

باپ کی ساری کمائی ہوگئی نذر بوٹ سوٹ — بھوت کالج میں چڑھا فیشن کا یہ خود دار پر
مولوی صاحب نے اپنا الٹی میٹم دیدیا — اڑتے ہی لڑتے مسلمانوں نے بھی دم دیدیا
پاس کرنے اب لگی ہیں عورتیں بیرسٹری — نر سے مادہ کی عدالت میں ہے جنگ زرگری
اب تک یہ خواب دیکھتی ہیں ہم رول کا — دشوار بیٹھنا ہے مگر اس کی چول کا
راز کھد رہی ہیں کچھ سوراج کا ستون ہے — پر مرے نزدیک تو دلی ابھی تک دور ہے
مرا سینہ بھی پالیٹکس کا اسوقت مخزن ہے — ادائیں آئیں ہمیں بہار کی ہیں اور نشان اس کا ہے
ٹھہرو ہوٹل میں چھوڑو فکر سرائے — کبھو قہوہ پیو کبھی تم چائے

یہ ترقی لارڈ کرزن کی بدولت ہوگئی — موچھ کس گنتی میں ہے داڑھی بھی رخصت ہوگئی
آنکھوں کی روشنی کا یہاں بگڑا کھیل ہے — اُن کو پسند یہ بھی مٹی کا تیل ہے
عورتوں سے ہند میں اب بے پردہ کیجئے ق — خوب ہے اُن کو کھلے بندوں پھرایا کیجئے
آپ کے ہاتھوں ترقی جو نہ حاصل ہو سکی — اب ذرا سے عورتوں کی اسکو پورا کیجئے
آپ سے اور ہم سے باتیں ہیں عدو کا دخل کیا — کودتا ہے کیوں کرایہ کا یہ ٹٹو بیچ میں
ساتھ غیروں کے ہیں یوں ہاتھی دوپٹہ میں آج — ساتھ کو وہ کے اُٹھے جسطرح مٹھو بیچ میں
لگ گئے گھوڑے تو ٹوٹا تسمہ موچی کا جناب — بیخطا ہی پس گیا بیچارہ بدھو بیچ میں
یوں عدو ننگا دھڑنگا بزم میں ہے بیحیا — مجمع ناگہ میں بیٹھے جیسے سادھو بیچ میں
اک طرف انگلش زباں ہے اک طرف ہے ناگری — پس رہی ہے سب بیچاری اُردو بیچ میں
نہ سمجھیں آپ مجھکو ہیں جی کا اب سیسر ہوں — حقیقت یہ ہے میں بھی جی بجا کہنے کا خوگر ہوں
ترکوں نے بیشک کیا ہے یہ کمال — جو دیا اسلام سے پردہ نکال
ترجمہ خطبوں کا کرکے اسکو رخصت کیجئے — نہر سے عربی زباں بھی اخراج کرنے کو چلی

مجنوں ۔ شاہ مجنوں کے عرف یا لقب سے مشہور تھے۔ بشن ناتھ جو محمد شلہ کے

دیوان کے نواسے تھے خود یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ زندگی نہایت عسرت اور شوریدگی میں گزرتی تھی ننگے پاؤں ننگے سر پھرا کرتے تھے۔ شعر گوئی کا شوق تھا۔ اول اول میں حسرت تخلص کرتے تھے پھر حانی تخلص کیا۔ اور اس کے بعد میر انشاء اللہ خاں کی صحبت میں رہنے لگے اور مجنوں تخلص اختیار کیا۔ اپنے آپ کو میر تقی میر کا شاگرد بتاتے تھے۔ مگر بقول میر حسن کہ خر عیسیٰ اگر بمکہ رود نمونہ کلام یہ ہے۔

پھر اب یہ جو چلا ہے کل دوں قرار ٹھہرا | کہتا ہے مجھسے چل بے تو کب کا یار ٹھہرا
بوسے کے بدلے گالی دے بیٹھا مجھکو چٹ سے | تو اپنے منھ سے آپی بے اعتبار ٹھہرا

مجید۔ یعنی منشی عبد المجید صاحب مجید۔ ناگپور کی مشہور و معروف دی ماڈرن تھیٹریکل کمپنی کے چیف ایکٹر ہیں۔ ایک غزل ریختی کی ملی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی اس رنگ کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں۔

سوسن تجھے ملنے کو بھی لچا ہی ملا شوخ | کیا مجھکو بنائے گا نگوڑا وہ موا شوخ
آیا مری لونڈی کو بھی کرتا تھا اشارے | کل وہ انھیں باتوں کی بدولت تو پٹا شوخ
ان دونوں میں رہتی ہی ہمیشہ سے لڑائی | کچھ منجھلی بوا شوخ ہیں کچھ چھوٹی بوا شوخ
یہ کس نے بتائی ہے چھچھوروں کی ملاقات | بھاتا نہیں اک آنکھ بھی مجھکو تو بوا شوخ
بل سارے نکالوں گی ہیں نکلے کیطرح سے | پاپوش سے ماروں گی جو ہیٹے وہ چڑھا شوخ
ہر ایک سے یوں آنکھ لڑا لیتی ہے نرگس | ہے ہے نہیں آتی ہے ذرا تجھکو حیا شوخ
الفت جو مجید آئے تو تو بات نہ کرنا | وہ ایک ہی چلتا ہوا لچا ہے موا شوخ

محب منشی برج بھوکن لال نام ہے قصبہ دریا آباد ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے ہیں منشی نوبت رائے لکھنوی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ ابتدا سے شعر و شاعری کا

کا شوق تھا۔ مگر طبیعت کا رجحان زیادہ تر ظرافت کی طرف تھا۔ منشی نوبت رائے صاحب کے انتقال کے بعد آپ ہی اپنے کلام پر نظر ثانی فرماتے رہے اور ۲۷ء میں اپنا دیوان بھی شائع کیا۔ آپ اکبر مرحوم کے رنگ میں شعر کہتے ہیں۔ اگر غور کیا جاے تو اکبر کا رنگ دراصل ایسا تھا کہ اسکا اتباع دشوار تھا۔ مگر افتاد طبیعت سے مجبور تھے۔ اسی طرف متوجہ رہے۔ محب صاحب نہایت نیک نفس اور خلیق زندہ دل آدمی ہیں۔ اور کلام میں تا حد مقدور شوخی وغیرہ کو مدنظر رکھتے ہیں۔ خود ہی فرمایا کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں اکبر نے یہ رنگ حسن کے ساتھ کہا اور ہندوؤں میں میں نے۔ ان کا یہ جملہ یقینی قرین صداقت ہے ایک مرتبہ راقم الحروف سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ اور خود جناب موصوف نے اپنا دیوان مرحمت فرمایا تھا۔ عرصہ سے آلام ومصیبت اور طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہتے ہیں اب مرض برص بھی شروع ہو گیا ہے عمر تقریباً ۵۰ برس ہو گی۔ دیوان کے علاوہ تاریخ دریا آباد بھی آپ کے نتائج افکار سے ہے یہ کتاب نہایت خوب لکھی ہے۔ دیوان کا انتخاب حاضر ہے ملاحظہ ہو۔

کہتا ہے شوق ہم سے ہوائی جہاز کا	بیکار ہے خیال نشیب و فراز کا

ہو گیا سہل سفر ریل کے باعث اے خضر	رہبر شوق ہوا عشق میں انجن اپنا
ہم غریبوں کے مقدر میں نہیں عیش لکھی	اے محب تمکو مبارک رہے فیشن اپنا

اُن سے باتیں کیں تصور میں تو یہ ہم پر کھلا	کشور الفت میں ٹیلیفون کا دفتر کھلا

شوہر مفلس کی چند یا کا ہے اب بچنا محال	ہو گیا ہے شوق بی صاحب کو لیڈی ہیپ کا
کوئی نٹ کہتا ہے اُن کو کوئی بندر اے محب	شغل جب سے ہو گیا جمناسٹک ادر جمپ کا

تصور ہے مسوں کے مصحف رخسار زیبا کا
کسے ہے یاد قرآں کی کسے ہے شوق گیتا کا

نہیں ذوق عبادت شوق ہے راحت کے ساماں کا
خدا سے پھر گیا ہوں آجکل بندہ ہوں شیطاں کا

شگفتہ خاطری موقوف ہے ٹائپ کے حرفوں پر
کوئی شائق نہیں گلزار نستعلیق و ریحاں کا

مسوں کے لب میں بھی لطف حیات جاودانی ہے
خضر ہوٹل میں بھی بہتا ہے چشمہ آب حیواں کا

کیا صفائی مغربی مسہل نے آنتوں کی ہوئی
منھ پہ رونق آگئی گو پیٹ خالی ہو گیا

پارکوں میں گھوم لو کھا لو ڈبل روٹی محب
آخرش اک روز دنیا سے سفر ہو جائیگا

چلو جلسوں میں موٹر پر اڑو چندے دیے جاؤ
بغیر اس کے محب پبلک میں شہرا ہو نہیں سکتا

پسی جاتی ہے اب اولاد آدم غم کی چکی میں
بڑھا ہے پیٹ کا نرخ اور گھٹا ہے نرخ گندم کا

نوٹ سے بڑھکر نہیں دولت کوئی اس عہد میں
مل گیا جس کو یہ کاغذ کیمیا گر ہو گیا

گھلایا اسقدر اس شوخ کی بے اعتنائی نے
کہ اب ہمسے وفاداری کا گٹھر اٹھ نہیں سکتا

زباں کا اب تو دعوی ہر کس و ناکس کو ہے بھائی
نہیں پابند کوئی لکھنؤ اور دلی کا

دیکھکر لعبت لبرٹی کو
طفل دل کیا ہی کھل کھلا اٹھا

وہ طمانچہ پڑا گرانی کا
دل غریبوں کا تلملا اٹھا

بل کیا پیش کمپنی نے جب
اے محب شیخ بلبلا اٹھا

خوب ہے اب تو بلندی پہ ستارا اُن کا
چرخ پر اُڑکے پہونچتا ہے غبارا اُن کا

تیغ اصلاح سے کاٹیں جو گلا مذہب کا
میرے آگے نہ کرو ذکر خدارا اُن کا

طور پر حضرت موسی نے تجلی دیکھی
ہمکو لندن میں میسر ہے نظارا اُن کا

بابو صاحب ہیں مست ہوٹل میں
کون پرساں ہے بھائی دیبی کا

کیا خبر کیک کونسی ہے بلا　　ہم سے پوچھو مزا جلیبی کا

اب اوور کوٹ کا زمانہ ہے　　نام صاحب نہ لو رزائی کا
ڈاٹتی ہیں حسین لیڈی پمپ　　کون خواہاں ہو زیرپائی کا

ہر شے ہے گراں جنس شرافت کے علاوہ　　بازار میں سستا کوئی سودا نہیں ملتا
ہنری کے تو شاگرد نظر آتے ہیں لاکھوں　　ڈھونڈے سے کوئی دیاس کا چیلا نہیں ملتا

جامہ زیبی ہے وضع مغرب میں　　کیوں نہ ہو ہمکو شوق چسٹر کا
کون پرساں بیاض نظم کا ہو　　یہ زمانہ تو ہے رجسٹر کا

لاحول سے نفرت ہوئی اور مے سے ہوا شوق　　اب آپ سے ناخوش کبھی شیطان نہ ہوگا
کر دیا بدحواس چندہ دل نے　　دھیان کسکو ہے وان اور پن کا
کیا اعتبار زندگیِ مستعار کا　　چھ سیر جبکہ بکتا ہے آٹا جوار کا
آسماں پر دماغ ہے اپنا　　سر پہ جب سے ہے مغربی کنٹوپ

ملک و دولت کا کیا مس کو خدا نے لفٹنٹ　　اور ہمیں بنگ مصیبت کا بنایا ایجنٹ
پے شہرت یہی کافی ہے نہیں مال سے بحث　　ایک تختے پہ یہ لکھدیجئے جنرل مرچنٹ
قرض لے لے کے مئے عیش اڑائی ہے محب　　آج ہو آپکو قرقی کا مبارک وارنٹ

تیز کیا ہم سست دل ہوں اہل جرمن کیطرح　　بھائی چھکڑا چل نہیں سکتا ہے انجن کیطرح

اب اسی میں سرخروئی آبرو دار ننگی ہے ۔۔۔ بس انھیں کے رنگ میں مل جائیں پانی کیطرح
چھوٹی ٹائم پیس کا ہے دائرہ اُن کی کمر ۔۔۔ ناچ میں جو لوچ کھاتی ہے کمانی کیطرح

یار من مشفق من نہیں القاب پسند ۔۔۔ ہے فقط مائی ڈیر آج کل احباب پسند
کھپ گئی ہے مری آنکھوں میں ولایت کی زری ۔۔۔ خفتہ بختوں کو بنارس کی ہے کمخواب پسند

چائے کے آگے پان ہے کیا چیز ۔۔۔ چندے کے آگے دان ہے کیا چیز
گولڈ اسمتھ کی دیکھئے لائف ۔۔۔ اس کے آگے پُران ہے کیا چیز
عیش چاہو خوشامدی بنجاؤ ۔۔۔ زر کے لالچ میں آن ہے کیا چیز
سیکھو انگلش فرنچ لیٹن اب ۔۔۔ بھائی دیسی زبان ہے کیا چیز

کمیٹی و چندہ کی کوشش مبارک ۔۔۔ یہ نزلہ مبارک یہ پیچش مبارک
ہوا شل شیخ و برہمن میں باہم ۔۔۔ یہ مضموں مبارک یہ بندش مبارک

ہر اک کی شان میں کہتے ہیں یہ ایسے ہیں ویسے ہیں ۔۔۔ کوئی کاش اُن سے یہ پوچھے کہ حضرت آپ کیسے ہیں
تھیٹر میں وہ ہنستے ہیں تو اسٹیجوں میں روتے ہیں ۔۔۔ جزاک اللہ قومی درد الفت اسکو کہتے ہیں
نہ چھیڑیں بحث واعظ آجکل کے تیز طبعوں سے ۔۔۔ کہ وہ ہیں اونٹ کمسریٹ کے یہ پولو کے گھوڑے ہیں

مدت سے مر گئے ہیں نئی روشنی پہ ہم ۔۔۔ ابتک جلا نہ لیمپ ہمارے مزار میں
اس مفلسی و قحط کے قربان جایئے ۔۔۔ گیہوں کے بدلے ملتا ہے لطف اچار میں
دل ہے وہی جو آئے مسوں کی جھپیٹ میں ۔۔۔ دولت وہی جو سمے بنے اور جائے پیٹ میں

وہی پہونچیں گے اب تو منزل تک ۔ جو کہ انجن کو رہنما سمجھے

بے ریل دو قدم نہیں چل سکتے آپ سے ۔ ہم لوگ اب تو کھنچتے ہیں انجن کی بھاپ سے

بجا اسکول کا گھنٹا جو ٹن سے ۔ تو اچھن آ گئی ڈولی میں زن سے

نہ کام آیا مرے پر مغربی بوٹ ۔ بدن ڈھانکا گیا آخر کفن سے

مزار اپنا بنے گا پارک میں اب ۔ ہمیں کیا کام ہے باغ عدن سے

ترقی پر ہے اب چندے کا آماس ۔ مریض قوم کے دم پر بنی ہے

اور اسیر مفلسی کی سخت گلٹی ۔ کہ جس سے رگ شرافت کی تنی ہے

نام ہوتا ہی زمانہ میں محب دو ہی طرح ۔ چندہ دینے سے اور اخبار میں چھپ جانے سے

کیوں برا مانیں جو وہ کہتے ہیں ہمکو ڈیم فول ۔ یہ تو معشوقانہ شوخی ہے کوئی گالی نہیں

تا کجا قدر سخن بی شاعری کے پیٹ سے ۔ اور ہوتے ہیں تو لد اب سخنور سیکڑوں

مدار سکار جہاں اب سکنڈ پہ ہے ۔ گیا وہ وقت گھڑی و پل سے کام نہیں

وہ وزن کھو کے بھائی ہم ڈھول ہو گئے ہیں ۔ پہلے تھے ٹھوس لیکن اب پول ہو گئے ہیں

دل احباب کو چسکا پڑا ہے نوجداری کا ۔ مزا ملتا ہے ابگھر سے زیادہ جیلخانے میں

بھلا اُن لڑکیوں کے حسن کیرکٹر کا کیا کہنا ۔ جنہیں مس صاحبہ اسکول میں تعلیم دیتی ہیں

تھیٹر کے نرالے سین اعلی سینری دیکھو ۔ نہ جاؤ بھولکر ہرگز جہاں پر رام لیلا ہو

مبارک ہو محب یہ آتش شوق ۔ گھر اپنا خوب پھونکو اور تاپو

تقریر پر عمل جو نہیں خود تو چپ رہو ۔ مینڈک کی طرح شور مچانے سے فائدہ

کیوں رتھ کا ذکر عاشق انجن سے کیجئے ۔ بھینسے کے آگے بین بجانے سے فائدہ

قیس کو دیوانگی میں تھا سگ لیلی عزیز ۔ عشق مس میں ہمکو پیارا آج اک کلڈاگ ہے

نئی ملت کا زاہد ہوں مزے جنت کے حاصل ہیں ۔ کہ سوڈا اور لمنڈ کم نہیں کچھ آب کوثر سے

پے نامہ بری اب پوسٹ آفس ہمکو کافی ہے ۔ نہ قاصد کی تمنا ہے نہ مطلب ہے کبوتر سے

بڑھکے خیرات سے ہے قوم کی خدمت ثواب	بھیک دینے سے تو چندے کا سوال اچھا ہی
مال آغاؤں سے وعدے پر خوشی سے لیجئے	جب تقاضا ہو تو کہدیجئے کہ نالش کیجئے
تعلیم مغربی سے بھی پھولے پھلے نہ ہم	بوئے گئے جو بیج وہ قسمت سے سڑ گئے
کھاتے نہیں پڑنگ کسی کے دباؤ سے	مجبور شیخ ہوگئے دم کے لگاؤ سے
گر نوٹ پاس ہو تو ملے ساحل مراد	اب بیڑا پار ہوتا ہے کاغذ کی ناؤ سے

حقیقت یہ ہے کہ محب دریابادی کا کلام سراسر اکبر مرحوم کا تتبع ہے - مگر افسوس کہ ان کے کلام میں وہ اثر اور زندہ دلی نہیں ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں طنزیات کا ایسا بے محل استعمال ہوا ہے کہ وہ واقعہ معلوم ہوتے ہیں - اور جس طنزیات سے وہ نواہی کا کام نکالنا چاہتے ہیں اُن سے اوامر مفہوم ہوتے ہیں - ان کے کلام میں قطعات - رباعیات - مثنوی وغیرہ بھی ہیں مگر ہم اسیقدر کافی سمجھتے ہیں اور اصناف کلام کا یہ تذکرہ متحمل نہیں ہو سکتا -

---

م - ح - یعنی ماسٹر باسط صاحب - آپ بسواں ضلع سیتاپور کے رہنے والے ہیں اور دورِ موجودہ کے ایک نہایت خوش گو خوش مذاق شاعر ہیں - غزل خصوصاً نہایت عمدہ اور زبان کی حدود میں کہتے ہیں جس سے صحیح صحیح رنگ تغزل کا لطف آتا ہے - دوسرے لوگوں کی طرح آپ اسمیں فلسفہ اور تصوف کے مذاق کو شامل نہیں کرتے - جگر بسوانی سے اصلاح لیتے ہیں - مگر اسکا کیا علاج ہے کہ جناب جگر سے یہ خود اچھا کہتے ہیں راقم الحروف جناب باسط صاحب سے بھی بخوبی واقف ہے - اور کبھی کبھی جناب جگر صاحب کی غزلیں بھی سنیں میرے نزدیک دو جدا جدا راستوں کے چلنے والے ہیں - اور ایک کا دوسرے سے کوئی تناسب نہیں - باسط صاحب نہایت خوب کہتے ہیں اُن کی طبیعت میں

رنگینی۔ بیان میں آمد۔ بندش میں چستی برجستگی ہے اور اس کے برعکس جناب جگر کے یہاں خشکی۔ تقشف۔ پھیکاپن۔ بیمزگی۔ بہرصورت باسط نے ایسے اوستاد کی تربیت سے فائدہ اٹھایا اور خود نہایت عمدہ کہنے لگے۔ ذلک فضل اللہ الخ۔ آپ کبھی کبھی تفنن طبع کے لئے ظرافت کے اشعار بھی کہتے ہیں اور ظرافت میں ایک ہمہ گیری کی صورت پیدا کرتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ باسط جس قدر رنگ عاشقانہ کو نہایت خوبی سے کہتے ہیں اوسی طرح ظرافت میں کامیاب نہیں ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ دراصل وہ ایک متین اور مہذب آدمی ہیں۔ ظرافت کو ان کی طبیعت سے کوئی خاص نسبت نہیں ہے۔ ماسٹر باسط کسی اسکول میں اردو ٹیچر ہیں۔ شاعری کے بیحد شائق ہیں اکثر رسالوں میں غزلیں طبع ہوتی رہتی ہیں۔ آپکی عمر اسوقت تخمینًا ۳۵-۳۶ سال کی ہوگی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

حضرت دل جو کسی مس کے حوالے ہوتے | جتنے گورے ہیں مقرر مرے سالے ہوتے

وہ بت تیغ نگہ سی سکڑوں کو مار آتا ہے | نہ تحقیقات ہوتی ہے نہ تھانہ دار آتا ہے

کہاں جائیگا اڑ کر اے پری پروانے عاشق سے | تری ٹم ٹم کے پیچھے میرا موٹر کار آتا ہے

خفا ہیں اگر اے دل وہ بے تقصیر ہو جاتے | اکڑ کر بندہ درگاہ بھی شہتیر ہو جاتے

عدو کمبخت کو سودا ہے کچھ ایسا جدائی کا | لئے سر پر پھرا کرتا ہے ڈھا نچا چارپائی کا

مرغ دل دام میں گیسو کے پھنسا لیتا ہے | تجھکو دلدار کہیں ہم کہ چڑیمار کہیں

کیا فرق ہے بتا دو اسٹر میں یا لوی میں | وہ شاخ ہیں قلم کی اٹھنے ہیں یہ پرانے

جو دیکھیگا کوئی یوں بانکپن سے | پکڑ کر کھینچ ہی لونگا فٹن سے

کھینچتا تصویر کیونکر دیکھکر غب جمالی | ہاتھ کا نیا مرگئی نانی وہیں بہزاد کی

رنگ لائیں نہ غضب غیر کی چکنی باتیں | تم تنبولی اُسے سمجھے تھے وہ تیلی نکلا

بہ تنگ آمدم چوں شب ہجر اے دل | طپاں سوے او چوں مچھر پا رسیدم

مخلوق ۔ تذکرۂ خوش معرکہ میں جو پٹنہ لائبریری میں محفوظ اور موجود ہے ان کا نام میر احسان علی لکھتا ہے مخلوق نواب تقی خاں ترقی کے یہاں قصہ گوئی کے خدمت پر مامور تھے ۔ میر خلیق کے چھوٹے بھائی یعنے میر انیس کے چچا تھے ۔ صرف دو شعر تذکرۂ انیس مصنفہ مرزا فدا علی خنجر لکھنوی سے دستیاب ہوے ۔ جو ریختی میں ہیں اسی سے گمان ہوتا ہے کہ مخلوق کا رنگ یہی تھا ۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے لوگ بھی اس قسم کے شعر کہنے سے باک نہ کرتے تھے ۔

اے دوا دیکھو اب ہوگا بڑا شر پیدا ۔ لوز ناخی نے کیا اور نیا گھر پیدا

مردوں کو ترس رنڈیو نیر کیوں نہیں آتا ۔ میں مر گئی کمبخت اثر کیوں نہیں ہوتا

مذاق ۔ مرزا غضنفر حسین نام ہے جونپور کے رہنے والے ہیں ۔ پچاس برس کی عمر کے آدمی ہیں ایک وقت میں مذاق اور ظرافت کے اشعار لکھنے کا بڑا شوق تھا ۔ اور صفدر مرزا پوری کو اپنا کلام دکھاتے تھے معاصرین سے چوٹیں چلا کرتی تھیں ۔ مگر اب عرصہ سے شاید بالکل اس رنگ کو ترک کر دیا ۔ چنانچہ خود ایک خط میں لکھتے ہیں ۔ مجھکو تو اب شعر و شاعری سے چنداں شوق نہیں ہے ۔ بہر حال جو کچھ اشعار یاد ہیں وہ لکھتا ہوں مرزا صاحب نے اپنا مختصر حال بھی تحریر کیا ہے ۔ جس میں خاندانی حالات زیادہ تر ہیں شاعری کے واقعات سے کچھ علاقہ نہیں اسیواسطے ان کو قلم انداز کرتا ہوں ۔ صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ آپ کے مورث اعلی مرزا منور لی بیگ غازی خاں ایران سے بطلب شہنشاہ اکبر دہلی میں آکر سکونت پذیر ہوے تھے ۔ بعد چندے منعم خان خاناں کے ہمراہ جونپور آگر رہے اور صوبہ جونپور کے گورنر یعنے

نشستم بہ محفل بہ دو رنخستیں — کھسکتے کھسکتے بہ گورِ یار رسیدم

ہاتھ آیا ہے ستمگر تو بڑے گھات کے بعد — سب بتا دوں گا میں تجھکو مگر اک بات کے بعد
بوسہ چشم طلب میں نے کیا رو رو کر — ہنسکے فرمایا کہ منظور ہے برسات کے بعد
بتوں کے عشق کا مجھکو پڑا ہے آجکل چسکا — حرم سے مجھکو جانے دو نہیں ہیں شیخ کے بس کا
ہم اپنی جان سے اے بت بہت بیزار بیٹھے ہیں — بھری برسات میں آگر پسِ دیوار بیٹھے ہیں
پلٹ کر بے ستوں سے یہ کہا اپنے نیسرے نے — سنا کچھ اور اے بیٹا وہ تیشہ مار بیٹھے ہیں

چباوے منھ جرا اپنا سنو لیا آرزو دارم — تجھے جی کھولکر لینا بجگلیا آرزو دارم
لپٹ کر مدورے سینہ سے تجھے سوگند الشورکی — ترمی میں توڑ کر دھر دوں پسلیا آرزو دارم

زنخداں سیب ہے عناب لب ہیں — بہت میٹھے ہو تم تو خوردنی ہو
کمر سے تمکا لپٹا سے رہت ہے — رقیب رو سیہ کی گردہنی ہو

بہت بگڑے بہت تنکے بہت اینٹھے بہت رے رے — تماشا بوسر محفل میں اُن کا چھیڑ کر دیدم

لٹا لو پاس تم ہمکا تمھیں سوگند الشور کی — نہیں تو اینٹھ کر جا رڑے ہیں اے سرکار مر جائت
رے بیٹھے بیٹھے تم سے پیت کا سوجھی بُری سوجھی — بڑا اکڑا ہمیں یہ ہوی گو آزار مر جائت

تری الفت میں بھلا کون نہ دلہ ہووے بے — گھر میں بیٹھا رہے جو شخص سیانا ہووے بے
یا ہے دشمن نہیں لیتا ہے تو دیتے کیوں ہو
منھ پھٹا ہوی ہے کوئی جب ان دانا ہوی بے

ناظم مقرر ہوے۔ بہت سے مواضعات معافی میں پاے اور محمد شاہ رنگیلے کے عہد تک اسی طرح معافی میں رہے۔ مگر اب رفتہ رفتہ تمام علاقہ نکل گیا کچھ جایداد براے نام باقی ہے۔ ان کے خاندان میں سواے مرزا صاحب یا ان کے والد کے کسی نے ملازمت نہیں کی اور درباداری کے جھگڑوں سے آزاد رہے اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

آتشک کے ہوے یوں زخم بدن پر پیدا — رات کو چرخ سے جسطرح ہوں اختر پیدا
عیش باغ ان کا ہے کرتے ہیں مزے یہ پیاتیا — خوش نصیب ایسے بھی ہونگے کہیں بندر پیدا
شان اللہ کی ہے اسمیں اجارہ کس کا — بیضہ زاغ سے ہوتے ہیں کبوتر پیدا
جھومنے لگتا ہے ہر شیخ و برہمن سنکر — تانیں سارنگی سے ہوتی ہیں جو ہر پر پیدا

یہ ذوق عشق تو دیکھو کہ قیس کے سر پر — ہمیشہ ناقۂ لیلے سوار رہتا ہے
چلے ہیں وہ سوے گنگا اشنان کے دن ہیں — اٹھاے بار نزاکت کہار رہتا ہے
شب وصال وہ ضد کر کے ہمسے کیا لینگے — یہاں معاملہ اکثر ادھار رہتا ہے
ہمارا بوٹ بہت ہی شکستہ خاطر ہے — گلی میں آپ کی کوئی چمار رہتا ہے

یہ رنڈیاں نہیں جمگا ڈروں کی خالہ ہیں — انہیں کے واسطے یارو خراب ہم بھی ہیں

مزمل شاہ مزمل کے نام سے مشہور تھے۔ ایک آزاد مزاج وارستہ حال فقیر تھے حافظ قرآن اور علوم ضروریہ سے آگاہ تھے۔ شاہ آبرو کے معاصر تھے نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ اقتضاے زمانہ اور تفنن طبع کے لئے کبھی کبھی ظریفانہ شعر بھی ان کے قلم سے نکل جاتے تھے۔ اس رنگ میں

ایک شعر دستیاب ہوا جو لکھتا ہوں۔

اے مزمل ناز کا گھوڑا کدا　　شوخ بولا چل بے چل آگے سے چل

مست سرمست خاں نام تھا قوم افغان سے تھے کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتے تھے جسمیں اکثر ظرافت ملی جلی ہوتی تھی ایک شعر اسی انداز کا ملاحظہ درج تذکرہ کرتا ہوں۔

نہ وہ بانکوں میں گنا جائے نہ ٹیڑھوں میں کیوں　　خانہ جنگی تمہیں رہتی ہے سدا مست کے ساتھ

مسٹر ۔ سید ضیا رعلی نام ہے بدایوں کے رہنے ہیں جناب قمر بدایونی کے شاگردوں میں ہیں۔ ثقہ ظریف میں آپ کا کلام چھپا ہے اسی سے چند اشعار منتخب کرکے نقل کرتا ہوں۔

رات یہ اندھیر کیا بزم بت پرفن میں تھا　　غیر تو دالان میں تھے اور میں آنگن میں تھا
ٹھان لی تھی میں نے میں بھی جیلخانے جاؤنگا　　جب سنا میں نے کہ وہ بت خانۂ دشمن میں تھا
آج اسکی صوبہ داری کا معما کھل گیا　　روٹی کپڑے پر ملازم وہ کسی پلٹن میں تھا
سالٹ انسپکٹر کی دعوت توبہ توبہ الاماں　　ایک مٹھی بھر نمک اک طشتری سالن میں تھا
کھا گئے یہ کہہ کے نہ دیگی وہ پوری دیگ کی　　وہ مزعفر میں نہ تھا جو ذائقہ کھرچن میں تھا
ایک سی داڑھی بھی تھی اور ایک ہی مونچھیں تو پھر　　ظاہرا کیا فرق مولا بخش و رگھنندن میں تھا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا　　سائیکل اللہ نے دی تھی مگر پیڈل نہ تھا
کون سی ایسی برائی تھی جو دشمن میں نہ تھی　　لُرنہ تھا چوکھٹ نہ تھا بودم نہ تھا پاگل نہ تھا
گارڈ صاحب نے برک میں رکھ کے چلتا کر دیا　　یہ نہ سمجھے آدمی تھا میں کوئی بنڈل نہ تھا

کالی مرغی دیکھی ٹھاٹر میں تو مجنوں نے کہا — مجھکو دھوکا ہو گیا لیلیٰ نہ تھی محمل نہ تھا

باپ ماں نے یاد نہیں شادی کی بڑبڑی الدی — ورنہ جورو کی قسم کھاتا ہوں میرا دل نہ تھا

ٹھاٹ سے چلتے وہ میرے ساتھ بزم غیر میں — نعل جوتے کا لگا دیتے اگر میڈل نہ تھا

داغ دل کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے — گیس کا ہنڈا تھا مسٹر یہ تمہارا دل نہ تھا

مسٹر نے اپنے کسی دوست کے لئے سہرہ بھی لکھا ہے جس کے بعض بعض شعر بہت خوب ہیں)۔

شیخ صاحب نے جو باندھا ہی کمر پر سہرا — ایک گز چھوڑ ہے دو گز کی برابر سہرا

تجربہ کار کو امداد کی حاجت کیا ہے — کہدو نوشاہ سے خود باندھ لے اٹھکر سہرا

کون کہتا ہے گیا وقت نہیں آتا ہے — پھر بندھا لوٹ کے نوشاہ کے سر پر سہرا

عمر کو دیکھ کے نوشہ کا ادب کرتا ہے — بے سبب پانوں پکڑتا نہیں جھک کر سہرا

کہدو مالن سے کہ تھامے رہے لڑیاں مسٹر — رہ نہ جائے کہیں داڑھی میں الجھکر سہرا

مصحفی شیخ غلام ہمدانی نام تھا۔ امروہہ کے رہنے والے تھے۔ مگر عمر کا بیشتر حصہ لکھنؤ اور دلی میں صرف ہوا۔ شاعرانہ کمال اور علم و فضل میں معاصرین حتی کہ میر اور سودا سے ہرگز کم نہ تھے۔ بلکہ اگر بعض باتوں میں ان کو ان کے مشہور معاصرین پر ترجیح دیجائے تو قباحت نہیں ہے۔ تمام اصناف سخن پر قادر تھے۔ نہایت ذکی قوی الحافظہ زودگو تھے یہاں تک کہ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ غزلیں کہہ کہہ کر فروخت کرتے تھے۔ اور یہ دستور تھا کہ جہاں کوئی مشاعرہ ہوتا یہ بہت سے شعر اسی زمین میں کہہ کر رکھ لیا کرتے اور پھر گاہکوں کے ہاتھ حسب حیثیت شعر فروخت کر دیتے۔ دو تذکرے اردو و فارسی شعرا کے۔ اور چھ دیوان اردو ایک دیوان فارسی ان سے یادگار ہیں۔

مصحفی نے ابتدائی تعلیم پانے کے بعد دلی کا رخ کیا اور وہیں علوم رسمیہ اور ضروری کی تکمیل۔ مشاعروں اور شعر و سخن کے جلسوں میں شرکت کرتے رہے مگر جب دلی کے عروج کا زمانہ رو بہ زوال ہوا اور اہل کمال ایک ایک کر کے اسکے در و دیوار کو الوداع کہتے ہوے، اِدھر اُدھر چلدیئے۔ تو مصحفی کا بھی جی اکھڑ گیا اور لکھنؤ چلے آے۔ یہاں اگرچہ چند روز نہایت عسرت اور پریشان حالی میں گزارے آخر کار مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں ملازم ہوگئے اور کچھ درماہہ بھی مقرر ہوگیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ لکھنؤ میں ان کی شاعری کا سکہ جما اور دوسرے باکمالوں کے ساتھ لوگوں کی زبانوں پر ان کا نام بھی آنے لگا۔ پھر تو وہ شہرہ ہوا کہ نامی معاصرین ان پر رشک کرنے لگے۔ حسد اور نفاق کی اگ لوگوں کے دلوں میں بھڑک اٹھی۔ چنانچہ جہانتک معلوم ہو سکا واقعہ یہ ہے کہ مصحفی کبھی کبھی ظرافت کے اشعار کہتے تھے مگر ہجو کے ناپاک اور گندے مضامین سے اپنی زبان اور بیان کو آلودہ کرنا نچاہتے تھے۔ لیکن زمانہ کے مشہور زمانہ ساز شاعر انشا کی بیجا شوخیوں۔ اور بد رنگیوں نے ان کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ اور وہ وہ کچھ کھلا کر چھوڑا جس سے آج ان کو بھی ایک ہجو گوئی کا مشاق شاعر ماننا پڑتا ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا مرزا سلیمان شکوہ کی غزلیں ہمیشہ مصحفی بنایا کرتے تھے۔ اتنے میں وہ زمانہ آیا کہ انشا بھی لکھنؤ پہونچے انشا کو سب جانتے ہیں کہ وہ صرف شاعر ہی تھے زمانہ سازی اور بہروپ میں بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے حسب ضرورت نقالی کرنے میں بھی ان کو کوئی عار نہ تھا۔ رنگیلے۔ دنیا بھر کے جلسوں میں شریک ہونے والے تھے شدہ شدہ مرزا سلیمان شکوہ کی محفل میں بھی اُن کا گزر ہوا۔ کون نہیں جانتا کہ عیش و مسرت کے جذبات اس کلام سے اور بھی ابھرتے ہیں جس میں رنگینی۔ شہد پن فواحش۔ رذالت کی چاشنی ہو۔ انشا کے یہاں اسکی کیا کمی تھی انھوں نے مرزا

سلیمان شکوہ کو وقت بیوقت اپنی سریلی آواز میں اُسی لب و لہجہ کے ساتھ مختلف قسم کی شاعری کے انداز دکھائے۔ کچھ وجاہت ظاہری۔ کچھ انشا کی خوبصورتی کچھ نواب کی مصاحبت کی عزت کچھ بذلہ سنجی۔ ظرافت بابی۔ کچھ مزاج شناسی وغیرہ یہی چیزیں تھیں جنھوں نے شاہزادۂ مذکور کو ان کی طرف زیادہ متوجہ کر دیا غریب۔ ثقہ متین۔ مہذب۔ جذبات حزن و انقباض ادا کرنے والے عسیر الحال تنگدستی فقر و فاقہ میں بسر کرنے والے۔ متین اور مہذب سنجیدہ بزرگوں کی آنکھیں دیکھنے والے بڈھے مصحفی کے یہاں یہ چیزیں اول تو تھیں کہاں اور اگر تھیں تو متانت علم۔ شرافت کے تودے کے نیچے دبی پڑی تھیں۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ سلیمان شکوہ یا تو ان سے پھر گئے یا پھرے نہیں تو انشا کی چکنی چپڑی خوشامدانہ باتوں کی طرف زیادہ مائل ہو گئے۔ کچھ تنخواہ بھی کم کر دی۔ جسپر غریب بڈھے نے جلکر یہ شعر کہے۔

چالیس برس کا ہی چالیس ہی کے لائق
تھا مرد معمر کہیں دس بیس کے لائق

اے وائے کہ پچیس سے اب پانچ ہیں اپنے
ہم بھی تھے کبھی ورنہ نہیں پچیس کے لائق

استاد کا کرتے ہیں امیر ابکے مقرر
ہوتا ہے جو در ماہہ سائیس کے لائق

اسی واقعہ کے بعد سے انشا اور مصحفی میں ایک رنجش کی بنا پڑ گئی۔ مگر ابھی یہ رنجش دلوں سے زبانوں تک نہ آئی تھی اتنے میں ایک تازہ واقعہ یہ ہوا۔ کہ انھوں نے ایک غزل کہی۔

زہرہ کی جو آئی کف اردت میں انگلی
کی رشک نے جا دیدہ ہاروت میں انگلی

اسی غزل میں بعض بعض شعر ایسے تھے جنپر سید انشا کو اچھے خاصے تمسخر کا موقع ملگیا۔ اور بڈھے کو خوب بنایا گیا۔ مثلاً ان کا مقطع تھا

تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس از مرگ
تھی اسکی دھری چشم پہ تابوت میں انگلی

انشاء نے اسکو یوں بنا دیا۔

تھا مصحفی کا ناچ چھپانے کو پس از مرگ — رکھے ہوئے تھا آنکھ پہ تابوت میں انگلی

پھر کیا تھا۔ بات کا بتنگڑ بن گیا ہجووں کا لمٹ ورا اتنا کھچا کہ توبہ ہی توبہ۔ مگر ان سب کو نہ ہمارے تذکرہ کے لئے کوئی بڑا علاقہ ہے اور نہ لکھنا چاہتے ہیں دوسرے تذکروں میں موجود ہیں وہیں سے دیکھ لیجئے۔ میں کچھ ظریفانہ رنگ کے شعر لکھتا ہوں۔

دیکھا نہ میں نے ہند میں جب کہ پشاوری — لئے برنج اے مصحفی رح اپنی پشاور گئی

کیوں نہ دل نظارگی کا جائے لوٹ — لکھنؤ میں حسن کی بندھی ہی لوٹ

آزاد نے لکھا ہے کہ ایک سقنی کو دیکھکر شیخ صاحب کی شوخی طبع کے منھ میں پانی بھر آیا ہے۔ اس غزل کے چند ظریفانہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

پانی بھرے ہے یار وہاں قرمزی دو شالا — لنگی کی سج دکھا کر سقنی نے مار ڈالا

کاندھے پہ مشک لیکر جب قد کو خم کئے ہی — کافر کا نشہ حسن ہو جائے ہے دوبالا

دریائے خوں میں کیونکر ہم تیم قد نہ ڈوبیں — لنگی کے رنگ سے جب وہاں تا کمر ہو لالا

———— — ناچی ہی تری عالم لاہوت میں انگلی

———— — جایک کی گرفتار ہو جوں سوت میں انگلی

اس کے در پہ میں گیا سوانگ بنا کے تو کہا — چل بے چل دور ہو کیا لیکے فقیری آیا

سرگرم سیر گلشن کیا خاک ہوں کہ اپنا — نزلے سے سو رہا ہے آپ ہی دماغ ٹھنڈا

چینے عاشق نہ کیوں اسکے ممولے — کہ چشم شوخ اسکی ہے ممولا

جزاک اللہ بنایا تو نے صیاد — قفس میں ازپے بلبل ہنڈولا

انشا کی مسخرہ زوریاں اور ستم ظریفیاں جب حد سے بڑھ گئیں تو انھوں نے یہ رجز کہکر انشا ر کو چڑایا انشا نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور خوب جواب دیا۔

دانش پہ گھمنڈ اپنی جو کرتا ہے بہ شدت — وہ شخص ہے واللہ کہ مجنوں مرے آگے
میں گو نہ سمجھتا ہوں سدا اسکی صدا کو — گر بول اٹھے اوہی کی چوں چوں مرے آگے
قدرت ہے خدا کی کہ بنے آج وہ شاعر — طفلی میں جو کل کرتے تھے غاں غوں مرے آگے
موسی کا عصا مصحفی ہے خامہ مرا بھی — گو خصم بنے اسود افیوں مرے آگے

مصحفی کا ظریفانہ کلام اگر تمام دواوین سے انتخاب کیا جاے تو کافی تعداد میں نکل سکتا ہے مگر مشتے نمونہ از خروارے سمجھکر چھوڑتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ ان کے کلیات کا ملنا بھی بہت دشوار ہے۔ مصحفی نے ایک طویل عمر پاکر سنہ ۱۲۴۰ھ میں بمقام لکھنو وفات پائی۔

م۔ ع اودھ پنچ کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جب کانگڑہ میں زلزلہ سے نقصانات ہوے تو آپ کے عجیب وغریب خیالات کو اس طرح جنبش ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیے۔

کیا نہیں اس فتنۂ محشر کی ٹھوکر زلزلہ — پوچھ لینا اب کے جو آے بگر زلزلہ
اے ستمگر تو دکھاوے اکو چلکر زلزلہ — جو سمجھتے ہی نہیں آتا ہے کیونکر زلزلہ
اے عجب جاپان روس و مصر لندن چھوڑکر — ہند ہی میں کیوں رہا کرتا ہے اکثر زلزلہ
آمد آمد پھر کسی پر کالۂ آفت کی ہے — پھر جہاں میں آنے والا ہے مقرر زلزلہ
ایک میں کیا ساری دنیا کا مقولہ ہے یہی — دو قدم رہتا ہے پیچھا آپ سے ہوکر زلزلہ
اے بت کافر تری چالوں سے اکثر ہند میں — آتا جاتا ہے برابر زلزلہ پر زلزلہ
مضطرب دل تھم گئے دلدار لنگڑے ہوگئے — اب جہاں میں آئیگا کیا خاک پھر زلزلہ

چپکے چپکے اُسکے چھپے ہائے بھولا شام کا
صبح کو آیا کہیں راہیں گنوا کر زلزلہ

ہاں بہ تقریب سیاحت صوبۂ پنجاب میں
آجکل آیا ہے شملہ سے اتر کر زلزلہ

کعبۂ دل ڈہ گیا اصنام ٹھنڈے ہو گئے
اللہ اللہ اب کرے گوشہ میں چھپکر زلزلہ

پاؤں پڑنے والا ہے اک حشر زا رفتار کا
فتنۂ محشر ہے ہو وہاں تو بڑہکر زلزلہ

معروف نواب الٰہی بخش خاں نام تھا فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں بہادر والی ... کے چھوٹے بھائی تھے دہلی میں رہتے تھے ۔ چونکہ اوائل عمر سے درویشوں اور اولیاء اللہ سے ملنے کا زیادہ شوق رہا اسوجہ سے آخر میں دنیا کو ترک کر کے طاعت وعبادت میں زیادہ مشغول ومصروف رہتے تھے شعر وشاعری سے اوائل عمر سے شوق تھا ۔ نہایت مشاق قادر الکلام تھے ۔ آزاد نے آبحیات میں انھیں ذوق کا شاگرد لکھدیا ہے مگر یہ اتہام ہے ذوق سے ان کی مشق ہرگز کم نہ تھی بلکہ قابلیت علمی میں وہ ان سے زیادہ تھے ابتدا میں شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے آخر میں وہ بھی ترک ہو گئی تھی ۔ ان کی تصنیف سے دو دیوان ہیں جو طبع نہیں ہوسے اور نہ امید ہے کہ آئندہ چھپ سکیں گے معروف نے ۱۲۴۲ھ میں دنیاے فانی کو خیرباد کہکر سفر آخرت اختیار کیا

معروف مرحوم کوئی ظریف شاعر نہ تھے بلکہ برعکس اس کے اپنے وقار خاندانی اور اپنی صوفیانہ روش کی وجہ سے وہ ایسی باتوں سے قریب قریب اجتناب کرتے تھے مگر اس تذکرہ میں ان کا نام نامی صرف اسوجہ سے لایا گیا کہ انھوں نے دیوانوں کے علاوہ ایک چھوٹا سا دیوان ایک سو ایک اشعار کا تسبیح زمرد کے نام سے ترتیب دیا ہے ۔ جس میں التزام کیا ہے کہ تمام اشعار میں معشوق کی سبزہ رنگی کی تعریف کیجاسے ۔ اور اس صنعت خاص کو نباتنگ

مرغوب سمجھا ہے کہ اپنی زندگی میں اپنے تمام احباب سے فرمایش کر دی تھی کہ اگر
کوئی محاورہ وغیرہ سبزی کا ملے تو ہمکو ضرور بتانا۔ اس میں اس قدر
انہماک تھا کہ شاہ محمدی پاس کے ایک شاگرد بھورے خان متخلص بہ
آشفتہ نے کوئی شعر کہا جس میں ہری چگ (جو ایک جانور ہوتا ہے) کا
لفظ آیا۔ نواب صاحب نے بھی اتفاق سے وہ شعر سنا چونکہ اسوقت تک
ان کے یہاں یہ لفظ نہ آیا تھا لہذا اسو روپیہ دیکر یہ لفظ خرید لیا اور موزوں کیا
جو آگے چلکر لکھا جاے گا چونکہ ہم اس سے پہلے آبنوس کے اشعار لکھ چکے
ہیں جنھوں نے یہ التزام کیا ہے کہ کوئی شعر سیاہی سے خالی نہ ہو۔ اسواسطے
یہ بھی ضروری سمجھا کہ تسبیح زمرد کے اشعار بھی نقل کئے جائیں۔ گو آبنوس
کے یہاں ظرافت بھی شامل ہے اور اُن کے یہاں یہ کچھ بھی نہیں مگر صرف
اس قسم کے اشعار بھی تفریح طبع کا سامان ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ صنعت
جس کا شاعری میں التزام کیا جاے اور تشدد کے ساتھ اسپر قائم رہا جاے
وہ خود بخود ایک قسم کی ندرت کے ساتھ ظرافت خیز ہو جاتی ہے

کسے تھا سبزہ رنگ اک دم بھروسہ اپنے جینے کا ۔۔۔ فشانی گر ترا ہوتا نہ چھلا سبز مینے کا

بسکہ سبزہ رنگ ہی قاتل مرا ۔۔۔ نت ہرا رہتا ہے زخم دل مرا

کون یہ لیکے ہاتھ میں سبز کمان آگیا ۔۔۔ ابروے سبزہ رنگ کا پھر مجھے دھیان آگیا

سبزہ رنگوں کی جو میں الفت میں آزاری ہوا ۔۔۔ خلط صفرا یاں تلک بگڑا کہ زنگاری ہوا

حرف سبز اب تیرے منھ سے ہی نکلتا بیڈھب ۔۔۔ سبزہ رنگ آج ہی تو زہر اگلتا بیڈھب

سبزہ رنگ آگے بڑھا تو جو مرے ساتھ لیے تھا ۔۔۔ کیا کہوں اڑگئے طوطے مرے ہاتھ کے رات

قتل کی کچھ میرے سبزہ رنگ کر تدبیر آج ۔۔۔ دل مرا چاہے ہے سیر سبزۂ شمشیر آج

سبزہ رنگوں کے فریبوں میں دل آیا بطرح ۔۔۔ عشق نے پھر سبز باغ اسکو دکھایا بطرح

جبکہ طفلی میں اماموں کا بنایا تھا فقیر — تھا اسی دن سے عنا گو سبزہ رنگوں کا فقیر

ولایت دو چار تو ان سبزہ رنگوں کی صفائی پر — پھسل جاتا ہے اکثر آدمی کا پانوں کائی پر

سبزہ رنگوں کی صفائی پر ہے یوں خسار سبز — دل میں جوں صوفی صافی دل کے ہوا نواز سبز

کائی لمدو تم مجھے آگے خدا شافی ہے بس — دل جلوں کو سبزہ رنگوں کے یہی کافی ہے بس

دھیان میں یوں ہوں سبزہ رنگ کے غرق — جوں نشے میں ہو کوئی بھنگ کے غرق

تری سبزہ رنگ ایسی صورت ہے صاف — زمرد کی گویا کہ مورت ہے صاف

سبزہ رنگو پہ نہ اپنا ہو کہیں جی مائل — اس برس رنگ ہے نوروز کا سبزی مائل

کیوں عشق نہ سبزہ رنگ پہ دل سے مدام ہوں — میں حضرت امام حسن کا غلام ہوں

آج یہاں کل وہاں گذرے یوں ہی جگ ہمیں — کھوے ہے ہر سبزہ رنگ اس سے ہری چگ ہمیں

اے سبزہ رنگ ہاتھ سے لے میرے پان تو — یہ برگ سبز تحفۂ درویش جان تو

یہ حالت غم میں ہے ان سبزہ رنگوں کے مرے جی کی — چمن میں زہر لگتی ہے مجھے آواز طوطی کی

سبزہ رنگوں سے محبت ہے مجھے دن رات کی — چاہتا ہوں ہر جگہ سرسبزی اپنی بات کی

اس بڑھاپے میں بھی کم ہو وینگے لہری ہمسے — سبزہ رنگوں سے چھنا کرتی ہے گہری ہمسے

یارب سبزہ رنگوں سے اب دل میں غم بھر آیا ہے — کیجیو خیر اس بستی کی یہ سبز قدم پھر آیا ہے

نور طراوت آنکھوں میں ہے دائم چھاتی ٹھنڈی ہے — یاد میں سبزہ رنگوں کے دل گیا ہے سبزی منڈی ہے

مقصود ۔ مقصود بیگ نام تھا لکھنؤ کے رہنے والے اوباش مزاج شخص تھے ہزل گوئی میں مشاق تھے ۔ چنانچہ نواب مصطفیٰ خاں صاحب تذکرہ گلشن بیخار میں لکھتے ہیں " از سوقیان لکھنؤ است ۔ خرافاتش نہ سزاے آنست کہ دریں اوراق مذکور گردد ۔ اما چوں نوشتہ اند نوشتہ شد " ان کا صرف ایک شعر تذکروں میں ملتا ہے ۔

بوسہ لینے سے خفا ہوتے ہیں کیوں مشفق من — بوسہ وہ شے ہے کہ دونوں کو مزا ملتا ہے

مفروض شاعر - اودھ پنچ سابق کے ایک مضمون نگار نے اسی نام سے ایک تاریخ داغ لکھی ہے جو بجنسہٖ درج کیجاتی ہے - افسوس ہے کہ اِن کا نام و مقام کچھ معلوم نہ ہو سکا- داغ کی ہجو کا سلسلہ تاریخوں کی صورت میں مدت تک اودھ پنچ میں قائم رہا تھا اسی میں سے ایک یہ ہے -

کہتے ہیں لوگ داغ کی صورت ایسی تھی جیسے زاغ کی صورت
نام گلزار داغ ہے جس کا ہے وہ اک اجڑے باغ کی صورت
تم کہیں دو بھی شربتِ دینار ہوں سراپا ایاغ کی صورت
ہائے بمغز ناریل کی طرح سر بسر ہے دماغ کی صورت
اُٹھ گئے ہائے داغ دنیا سے غم سے کیا ہو فراغ کی صورت
داغ کے غم سے بزم ہستی میں جل رہا ہوں چراغ کی صورت
چشم بد دور واہ کیا کہنا میں نے دیکھی ہے داغ کی صورت

منیر - سعادت یار خاں رنگین کے شاگرد تھے آفتاب خاں نام تھا دہلی کے رہنے والے تھے ایک شعر اُن کا تذکروں میں ملتا ہے چونکہ بیاض سلسلۃ الظرفا میں بھی یہی شعر درج ہے اسواسطے صرف اسی شعر پر اکتفا کرتا ہوں اسی ایک شعر سے ایک ضعیف سا احتمال ہوتا ہے کہ یہ ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے-

جی چاہتا ہے زلف کا تیری بیاں کریں شانے کے دانت توڑ کے اپنی زباں کریں

مخمور - منشی اسد اللہ نام تھا- جھیجڑہ جو ہگلی کے متصل ایک قصبہ ہے وہیں رہتے تھے منشی علی جان کے عرف سے معروف تھے- مولوی عبدالغفور نساخ کو اپنا کلام دکھاتے تھے- ریختی گوئی میں نہایت مشاق تھے- اور اس میں ڈگانا

تخلص کرتے تھے چونکہ اصل میں یہی تخلص تھا۔ لہذا حرف میم میں اس کا ذکر کیا گیا

سو بہانے تھے گر آتے تو ہزاروں ڈھب تھے ۔۔۔ لاکھ صورت سے اجی بات بنائی ہوتی

کل آنسے جو محفل میں کہا میں نے کہ غافل ۔۔۔ جینے کے ترے غم سے مجھے پڑ گئے لالے

سنتے ہی لگے کہنے وہ مغرور سبھوں سے ۔۔۔ لو اور سنو یہ بھی ہوے چاہنے والے

رات کو اک لگوٹے نٹ کھٹ نے ۔۔۔ صحن میں پا کے بے حجاب مجھے

چھیاں لیں گلے سے لپٹا کے ۔۔۔ پھر لیا زانوؤں میں داب مجھے

منتیں کیں ہزاروں قسمیں دیں ۔۔۔ کرکے چھوڑا مگر خراب مجھے

موج ۔ خدا بخش ایک مشہور گویا تھا جو اکبر آباد کا رہنے والا تھا۔ مگر بیشتر حصہ عمر دہلی میں گزارتا تھا آخر میں لکھنؤ چلا آیا تھا۔ اور یہیں انتقال کیا۔ اسکو ظریف لکھا ہے۔ مگر اس کا کوئی شعر جو رنگ ظرافت میں واقعی ہو مل نہ سکا لہذا ایک شعر جو تذکروں میں درج ہے اور اس میں ایک ہلکا سا ظرافت کا رنگ ہے درج کیا جاتا ہے۔

لاکھوں کٹوا دئے سر آن میں ہنستے ہنستے ۔۔۔ اے مری جان کوئی تو تو تماشا نکلا

مولانا نامی ۔ ادیماق تخلص سے متعلق تھے اور کبھی رے اور کبھی ہمدان میں رہتے تھے۔ اپنے اشعار پر بڑا ناز تھا۔ مطائبات کہنے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ ایک قطعہ تذکرہ آتشکدہ سے نقل کرتا ہوں۔

دی بہ حمام انپے غسل جماع ۔۔۔ گشت رہبر طالع میمون من

کیسہ مالے باسرین چوں بلور ۔۔۔ بہر بالش گشت پیرامون من

چوں مرا بر رو فگند از اشتیاق　　　جملہ شہوت گشت در تن خو من
طرفہ... بر سر... م نہاد　　　کاش بودے... اودر... من

مہتر۔ عبدالسمیع نام تھا۔ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ نہایت خوش تقریر، نیک مزاج۔ بلند حوصلہ آدمی تھے۔ جس زمانہ میں تحصیل علوم فارسی وغیرہ سے فراغت پائی اور انگریزی کی طرف توجہ کی تو شاعری کا بھی شوق دامنگیر ہوا چنانچہ خود بیان کیا کرتے تھے کہ متعدد غزلیں کہیں۔ مگر دیکھا کہ کہنے والوں نے اتنا کچھ کہدیا ہے۔ کہ اسی رنگ میں شعر کہنا نہ صرف فضول ہے بلکہ متقدمین کا منہ چڑانا ہی اسی خیال کو پیش نظر رکھکر کچھ دنوں کے لئے شعر کہنا چھوڑدیا ہے۔ مگر جذبات کا اظہار اور فطری ذوق دب کر نہ رہا۔ اس طرف سے توجہ کم ہوتے ہی ظرافت کی طرف بہ نکلی۔ چرکین کا رنگ پسند آیا۔ اور اسی میں کہنا شروع کردیا۔ مگر صرف تفنن طبع کے طریق پر اس مشغلہ کو جاری رکھا۔ نہ کبھی اپنے کلام کو جمع کیا اور نہ کہیں چھپوایا۔ چند روز کے بعد یہ بھی نہ رہا پھر برسوں شعر کی نوبت نہ آتی تھی ۲۶ھ میں ایک روز مسجد سے نماز پڑھکر نکل رہے تھے کہ ایک شخص نے چاقو ماردیا اور اسی میں فوراً جاں بحق ہوے۔ ایک مرتبہ میں نے اصرار کیا تھا تو یہ شعر سنائے تھے۔ جو ابتک حافظہ میں محفوظ ہیں۔

سبزہ ہے رخ پہ یار کے اوصاف بھی نہیں　　　مہتر تمہاری جھاڑ دے سے افسوس آجتک
بیت الخلاء کے پاس ہمارا مزار ہو　　　مہتر یہ چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی
جو لئے پھرتا ہے اپنے ساتھ پنجہ ٹوکرا　　　ہمکو اے مہتر پسند آتا ہے بس وہ چھوکرا

مہری۔ ہروی الاصل تھی شاہرخ مرزا گورگان کے زمانہ میں گوہر شاد بیگم کی خواصوں میں منسلک تھی۔ نہایت عقیل اور حسین و جمیل تھی۔ مطائبات

لکھنے کا بھی کافی شوق تھا - اور اپنے شوہر خواجہ عبدالعزیز کے ساتھ جو درباری اطباء کے زمرے میں ملازم تھے نہایت مذاق اور تمسخر کیا کرتی تھی - چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ خواجۂ مذکور آ رہے تھے اور مہری اپنی بیگم کی مصاحبت میں بالاخانہ پر بیٹھی تھی بیگم نے خواجہ صاحب کو آتے دیکھکر اور خواصوں سے کہا کہ خواجہ کو جلد بلا لاؤ - چنانچہ خواصوں نے خواجہ سے جاکر کہا کہ جلد جلد چلئے بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں - حکیم صاحب نے حالت اضطراب میں جو جلد جلد چلنے کی کوشش کی - تو گر پڑے - بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ خواجہ نے بیگم کے انبساط طبع کیوجہ سے دانستہ ضعف کا بہانہ کیا اور پیرانہ سالی کی حرکتیں کرنا شروع کیں بیگم بہت ہنسی اور مہری سے فرمایش کی کہ اس حالت کو نظم کر کے عرض کرے - مہری نے حسب الحکم یہ اشعار کہے -

مرا با تو سہر یاری نماندہ است   دل مہر و وفاداری نماندہ است
ترا از ضعف پیری قوت و زور   چنانکہ پاے برداری نماندہ است

بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ مہری کو سلطان شاہرخ مرزا کے بھانجے سے بڑی محبت تھی اور اس محبت پر لوگ ناجائز تعلق کا گمان رکھتے تھے - یہ قصہ ایسا مشہور ہوا کہ خواجہ عبدالعزیز کو بھی خبر ہوگئی - اور شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ کے کانوں تک پہونچی چنانچہ شوہر کی استدعا پر بادشاہ نے مہری کو قید کر دیا - مہری نے اسی حالت قید میں یہ رباعی کہی

شہ کندہ نہاد سرو سیمیں تن را   زیں واقعہ شیوں است مرد و زن را
افسوس کہ از کندہ نخواہد فرسود   پاے کہ دو شاخہ بود صد گردن را

ایک روز شوہر نے اپنے یہاں کی عیش و عشرت پر توجہ دلائی اور اس کے ساتھ ہی مہری سے اسکی بیوفائیوں کی شکایت کی - مہری نے برجستہ یہ رباعی کہکر خواجہ صاحب کو سنائی -

در خانۂ تو آنچہ مرا شاید نیست　　بندے ز دل رمیدہ بکشاید نیست
گوئی ہمہ چیز دارم از مال و منال　　آرے ہمہ ہست آنچہ میباید نیست

اسیطرح ایک مرتبہ میاں بیوی میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ بڑھے شوہر کی زبان میں زور آگیا تھا جو چاہتا تھا کہتا تھا۔ مہری پہلے تو سب باتیں خاموشی کے ساتھ سنتی رہی مگر جب غصہ ضبط کی حدوں سے باہر ہوگیا تو یہ رباعی کہکر سنائی۔

شوئے زنِ نوجواں اگر پیر بود　　چوں پیر بود ہمیشہ دلگیر بود
آرے مثل است آنکہ گویند زناں　　در پہلوے زن تیر بہ از پیر بود

مہستی۔ گنجہ کی رہنے والی تھی نہایت شریف النسب تھی۔ بعض لوگوں نے اسکو نیشاپوری لکھا ہے۔ تذکرہ آتشکدہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ عورتوں میں ایسی شاعرہ کوئی نہیں ہوئی۔ سلطان سنجر کے مصاحبین میں منسلک تھی۔ نہایت زود گو حاضر جواب بذلہ سنج تھی۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ چلے کے جاڑے میں جب برف خوب گر رہی تھی۔ در و دیوار سفید ہو رہے تھے سرد ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ رات کے وقت کسی ضرورت سے بادشاہ نے مہستی کو تھوڑی دیر کے لئے باہر بھیجا۔ جب واپس آئی تو جاڑے کی وجہ سے سکڑ گئی تھی۔ بادشاہ نے مذاقاً کہا کہ اسوقت باہر کا کیا حال ہے۔ مہستی نے فی البدیہہ یہ رباعی نظم کر کے سنائی۔

شاہا فلکت اسپ سعادت زیں کرد　　وز جملہ خسرواں ترا تحسیں کرد
تا در حرکت سمند زیں نعلت　　برگل نہ نہد پائے زمیں سیمیں کرد

اس کا کلام عبد اللہ اوزبک کے فتنہ کے زمانہ میں خصوصاً تسخیر ہرات کے وقت ضائع ہوگیا۔ اس کے مطائبات کا نمونہ یہ ہے۔

قصاب چنانکہ عادت اوست مرا
بفگند و بکشت و گفت کیں خوست مرا
سرباز بہ عذر می نہد بر پایم
دم میدہم تا بہ کند پوست مرا

قاضی چو زنش حاملہ شد زار گریست
گفتا ز سرِ کینہ کہ این واقعہ چیست
من پیرم و ... من نمی جنبد ہیچ
وین قحبہ مریم است ایں بچہ زکیست

آنی لکھنو ہیچ کس تو چیزے نہ دہی
صد چوب مغل خوری و تیزے نہ دہی
منکے کہ از و روغن بزرگ گیرند
گر بر شکمت نہند تیزے نہ دہی
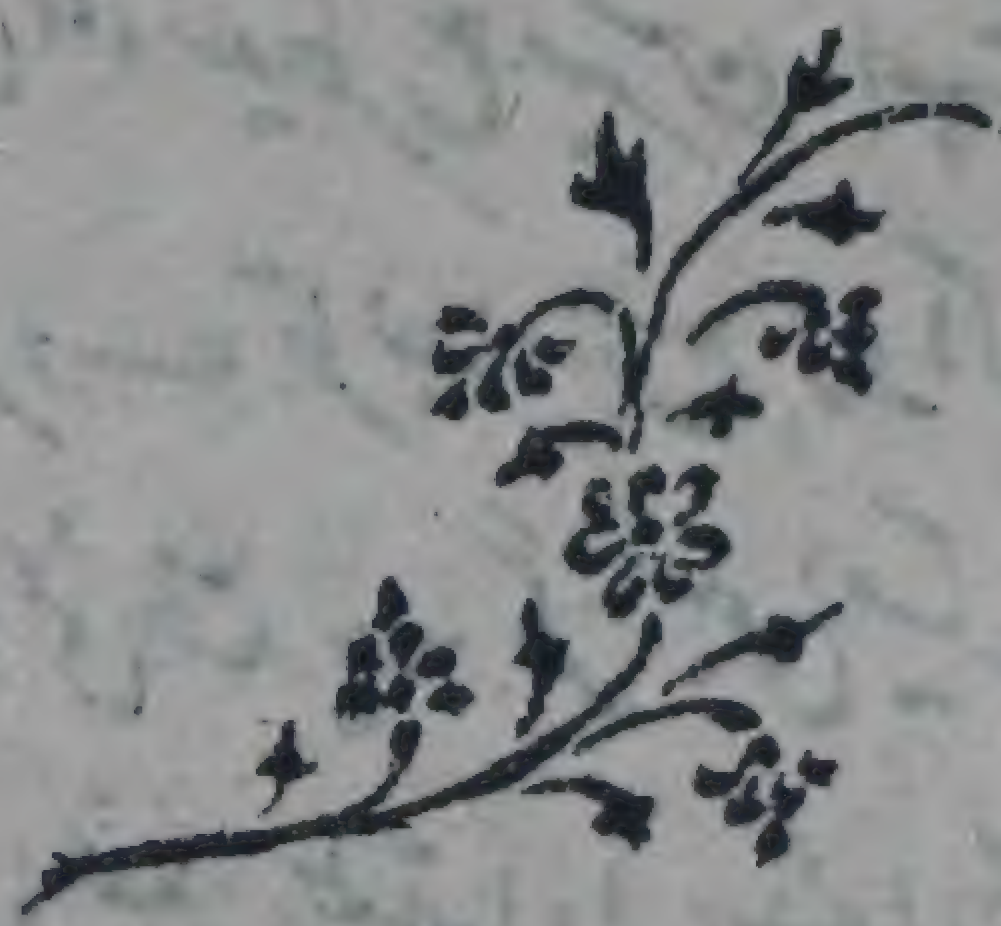
حرف نون

ناجی - محمد شاکر نام تھا - بڑے حریف و ظریف تھے - نادر شاہی لڑائی میں زندہ تھے - سب تذکرہ نویس اسبات پر متفق ہیں کہ زمانہ کے دستور کے موافق یہ ظرافت اور پھکڑ کے شعر زیادہ کہتے تھے - میر تقی میر اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں "جوانے بود آبلہ رو - سپاہی پیشہ مزاجش بیشتر مائل بہ ہزل بود معاصر میاں آبرو - بندہ باو یک دو ملاقات کردہ بودم شعر ہزل خود میخواند - مردمان را بخندہ می آورد و خود نمی خندید - مگر گاہے تبسمی میکرد - وطنش شاہجہان آباد جوان از جہان رفت" اسیطرح میر حسن - اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں - "دراوائل سلطنت محمد شاہ مردے ظریف طبع بود اکثر از لطائف و ظرائف مردمان را بخندہ می آورد و خود نمی خندید - مگر تبسمی میکرد" اسیطرح آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں - "اہل سخن نے انھیں طبقہ اول کے ارکان میں شمار کیا ہے - امیر خاں جو محمد شاہی دربار کے رکن اعظم تھے یہ ان کے نعمت خانہ کے داروغہ تھے مگر تیز مزاج اور شوخ طبع بہت تھے - راہ چلتے سے ابجھتے تھے اور جس کے گرد ہوتے تھے اُسے پیچھا چھڑانا مشکل ہوتا تھا - مندرجہ بالا بیانات سے اُن کی شوخ طبعی اور ظرافت مسلم ہوتی ہے - مگر کیسی مصیبت ہے ظرافت کے تذکرہ لکھنے والے واسطے کہ ایک شخص نے بھی اس میں سے ظرافت کا ایک شخص نقل نہیں کیا - مجبوراً انھیں متین اور مہذب اشعار میں سے کچھ ایسے شعر انتخاب کرنا پڑے جن پر ان کی شوخ مزاجی

کی مہریں لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اگرچہ وہ سراپا رنگ ظرافت میں نہیں ہیں۔ پھر بھی سب کچھ ہیں۔ گو کم ہیں مگر نمونہ کے لئے بہت ہیں۔

بے نواؤں سے نہ مل اے موکمر مت پیچ کھا
مونڈ سر لڑکوں کو کرتے ہیں وہ اپنا بالکا

رکھے اس لالچی لڑکے کو کوئی کب تک بہلا
چلی جاتی ہے فرمائش کبھی یہ لا کبھی وہ لا

اگر ہو وہ بت کافر کبھی اشنان کو ننگا
بھنور میں دیکھ کر جمنا اُسے غوطے میں جا گنگا

نہ لڈو یار کو کہ خط کھاتا یا منڈاتا ہے
مرے نشہ کی خاطر لطف سے سبزی بناتا ہے

جو کوئی کچھ کہے پگھل جائے
شمع رو ہے ہمارا موم کی ناک

ہمیں تو بوسہ نہ دینے کہا نہ کہہ کے دیا
جنھوں سے وعدہ کیا ہے انھیں جاچتے ہیں

جان ہے جیوڑا ہے دلبر ہے
پر یہ مشکل کہ طالب زر ہے

لب جان بخش آگے تیرے سخن
جو مسیحا کا نام لے خر ہے

جہاں دل بند ہو ناجی کا وہاں آوے خلل کیونکے
رقیب لاولد ناصح گو یا لڑکوں کا باوا ہے

ناز سید حسن نام ہے۔ تکیہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں۔ دورِ موجودہ کے خوشگو ظریفوں میں ہیں۔ عاشقانہ اور ظریفانہ دونوں رنگوں میں شعر شعر کہتے ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اُردو۔ انگریزی۔ اور قدرے ہندی جانتے ہیں۔ جس زمانہ میں لکھنؤ میں قیام تھا۔ راقم الحروف کو اپنا کلام دکھاتے تھے اب دو تین برس سے نہ ملاقات ہوئی نہ کوئی کیفیت معلوم ہوئی۔ ناز ایک دوست آشنا۔ نیک مزاج۔ نیک نفس آدمی ہیں۔ لکھنؤ کے اکثر مشاعروں میں ہزل اور غزل دونوں پڑھا کرتے تھے۔ اب نہ معلوم ظرافت کہتے ہیں یا نہیں۔ ان کا کلام میرے پاس موجود نہیں ہے مگر تذکرہ تبسم گل سے نقل کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور جو شعر یاد آئے گا وہ لکھ دیا جائے گا۔

ہزاروں اور اچھی اچھی چیزیں تھیں زمانے میں — مگر اس چوٹی والے کو میرا دل پسند آیا
اسی ٹٹی کے پیچھے کھیلتے ہیں یہ شکار اکثر — جناب شیخ کو انداز ریشائل پسند آیا
ہماری گردش قسمت لکھاتی ہے انھیں ناچے — فلاور مل کو بھی انداز بیپر مل پسند آیا

قیمہ کرنے کے لئے پاس جو قاتل آیا — پاؤ بھر ساتھ میں لیتا ہوا فلفل آیا
فَعَلَ یفعل کی جب کہ پڑھی صرف کبیر — ساتھ مفعول کے پکڑا ہوا فاعل آیا
اب بلیڈر نہ کہو دو مجھے لیڈر کا خطاب — اب تو کھدر کا انگرکھا بھی مراسل آیا
ایک دانہ بھی ہے اس قحط میں ملنا دشوار — شکر کر شکر کہ ہونٹوں پہ ترے تل آیا

مجنوں میاں نے ڈھیلا جو مارا گھسیٹ کر — لیلیٰ اچک کے پردۂ محمل میں رہ گئی

اُسے وہ قتل کر دیتا ہے جس کا دل سے ملتا ہے — نسب معشوق کا میرے ہلاکو خاں سے ملتا ہے

سوال وصل پر ان کو حیا آئی حجاب آیا — مگر میں بھی بڑا ہی سخرا تھا ہونٹ داب آیا
حسینوں نے عجب گلچھپ مچائی بزم رندانہ میں — لپک کر کھا گئے فوراً اگر کوئی کباب آیا
نزاکت کا غرور اچھا نہیں ہوتا ہے سن لیجے — پکڑ کر ٹھونک ہی دونگا اگر مجھکو عتاب آیا
جوانی میں ہر اک صورت حسیں معلوم ہوتی ہے — دلہن بنجائیگی جسدن گدھی پر بھی شباب آیا

سوز دل سے میں چراغ بزم ساقی ہو گیا — رات بھر جلتا رہا اور صبح ٹھنڈی ہو گیا
ہوں رسالہ میں بھی اک تذکیر اور تانیث کا — رات بھر مرغا رہا اور صبح مرغی ہو گیا
اس مس کمسن کے رخ پر دی جو بوسہ کی حکمت — وہ لگی کہنے کہ او دل کیا نوابی ہو گیا

کل جو گڑیا کی کھیلیں اُسنے لطف حاصل ہو گیا — وہ مری بھاوج بنے میں انکی بھابی ہو گیا
اب انھیں یہ فکر ہے اسپر کریں کیونکر ستم — اتفاقاً جو تہ کھانے کا میں عادی ہو گیا
اب اس بتِ کمسن نے ڈالی ناک میں جسکی نکیل — اونٹ ہو وہ یا کہ عاشق ہو بلاقی ہو گیا
دیکھیں کیونکر کہیں آخر بتِ بے پیر سے — وہ ابھی بچہ ہے میرے اور میرا شادی ہو گیا

اس طرح کی بہار ہے اب کوئے یار میں — کمرکو لگی ہو جیسے کسی سبزہ زار میں
لیلی کے قافلہ میں عجب اہتمام ہے — مجنوں میاں ہیں اونٹوں کی اگلی قطار میں
مت جاؤ قافلہ کے لئے قبرِ غیر پر — ٹانگیں پکڑ کے کھینچ ہی لیگا مزار میں
لیلی کے ساربان کے نشتر غمزے دیکھئے — مجنوں میاں کے کان بندھے ہیں مہار میں
معلوم ہو گیا سبب اضطراب بھی — وہ کودتے ہیں میرے دلِ بیقرار میں
دعوت کے ساتھ ہی مری انسلٹ بھی ہو گئی — بینگن کے چھلکے ڈالے ہیں اُسنے بگھار میں

بیری پہ بیر کھائے وہ ماہرو ہمارا — بندر کی نسل سے ہے وہ خوش گلو ہمارا
ملتا تو صرف تمسے شک ہینڈ مانگتا ہے — ہم سے چپٹا کرائی کیا آبرو ہمارا
کسطرح سے عبادت اب ہو سکے گی واعظ — دیکھا اُسے تو ٹوٹا فوراً وضو ہمارا

زاہد کا بھی بڑھاپا اچھا رہا بچپن میں — کچھ فرق ہی نہیں ہے داڑھی میں اور سن میں
جب چار بج گئے تو بھاگے وہ وصل کی شب — کیا سحر تھا الٰہی ٹن ٹن ٹنا ٹنن میں

دشمنی کے لئے تیار ہے بلی والا — کیوں بنایا ہمیں اللہ نے مرغی والا
کیسا ناداں ہے کمبخت سمجھتا ہی نہیں — توند کو کہتا ہے اک لوٹا ہے ٹونٹی والا

شب غم کی تیرگی میں یہ کہا کیا ہوں شب بھر
ڈبیا دیا سلائی فریاد رس الٰہی

رات دن احمق بنانے میں مرے مشغول ہے
آپ ہیں پوری بلیڈی یعنی خاصے فول ہیں

کیا قلندر رہگیا ہیں کیا مچھندر رہگیا
ریچھ پہلے رکھتا تھا اب ایک بندر رہگیا

لیکے منڈی سے دیا پورا مجھے اجور کا
عاشقوں سے کام وہ لینے لگا مزدور کا

وہ بیوفا ہے مگر کتنا خاندانی ہے
کہ باپ بہشتی ہے ماں اسکی مہترانی ہے

اگرچہ اور بھی غم ہیں ہزار ہا مجھکو
شب فراق مگر سب غمونکی نانی ہے

ہر اک پلک میں ہے مضمر مآل جوش شباب
کھنچی ہوئی بت سفاک کی کمانی ہے

یہ کس کے غم میں بنے سوگوار تم آخر
کہ سر کھلا ہوا ہے ساری آسمانی ہے

چڑھتے ہیں دونے ہزاروں اسکے اوپر رات دن
وہ بت بدخو مزار شیخ سدو ہو گیا

جب سے دشمن نے پڑھائیں پٹیاں اس شوخ کو
سچ تو یہ ہے میں تو بس اسدن سے اُلّو ہو گیا

تیرہ بختی میں ہماری داغ دل چمکے ہیں یوں
ناز جیسے اک سیہ اطلس پہ اُلّو ہو گیا

یہ ضعف کا عالم ہے کہ ہوں کہہ نہیں سکتا
مرغا ہوں مگر کو کڑوں کوں کہہ نہیں سکتا

پیرزن نے جب سنائی مرگ شیریں کی خبر
کوہ کن کی یہ خبر سنتے ہی نانی مرگئی

خیال اُن کا رہتا ہے سر پر سوار
اسی سے وہ مجھکو گدھا جانتے ہیں

سحر اٹھتے ہی آہ کرتے ہیں روز
ترے غم کو ہم ناشتا جانتے ہیں

ہے معشوق میرا جو مجھسے بڑا
اُسے لوگ میری دوا جانتے ہیں

محبت اسکو کہتے ہیں محبت ایسی ہوتی ہے — جو نوں کو تیرے پاجامے کی ہم کشمش سمجھتے ہیں
بلاتے بھی ہیں اور پھر بزم سے مجھکو اٹھاتے ہیں — مرے رونے کو بھی اب دمِ غرفش سمجھتے ہیں
اسی سے آگ لگتی ہے ہماری جان اور تن میں — تری گرمیِ الفت کو ہم اک آتش سمجھتے ہیں
غرض یہ ہے کہ تم پر ہر طرح سے جان دیتے ہیں — نہ ہم دانش سمجھتے ہیں نہ ہم کاہش سمجھتے ہیں

ٹاپے میں مجھکو بند کیا جبکہ دوست نے — مرغا سمجھ کے میں نے بھی شب بھر اذان دی
کی بال بال شرح ستمگر کے سامنے — موٹچھیں منڈائیں اُس بتِ خودسر کے سامنے

پتھر بنے ہوئے ترے در پر پڑے رہے — جس بات پر اڑے تھے اسی پر اڑے رہے
جوشِ جنوں میں باندھ دیے اُنکے ہاتھ پانوں — کہنے سے وہ بندھے ہوئے شب بھر کھڑے رہے
اُن کے خرامِ ناز نے کی شوخیاں بہت — مرنے جہاں گڑے تھے وہیں پر گڑے رہے
فرمایش اپنی جورو کی کرتا ہوں پوری سب — گھنگرو تو لادیے ہیں فقط اب کڑے رہے

آزاد کیا ہے رنڈیوں نے — جورو کا غلام ہو گیا ہوں

پروا نہیں ہے اطلس و کمخواب کی مجھے — کیا چیز ہیں یہ میر رریا کے سامنے
لیلیٰ نے سب ہمسایوں کو حکم دیدیا — کوئی نہ کچھ کہے مری میا کے سامنے
عشرت ہے ایک مجھکو تو غم ہیں ہزار ہا — تو لہ بھی کوئی چیز ہے ڈھیا کے سامنے
یوں پھر رہا ہوں اس بتِ کافر کے آس پاس — پھرتا ہے بچھڑا جس طرح گیا کے سامنے
تعریف کیا کروں ترے منے.... کی — سبزہ اُگا ہوا ہے گڑھیا کے سامنے

جب سے کچھ فارسی پڑھی ہے — اس روز سے تیل بیچتا ہوں
عاشق ہوں شباب پر مٹا ہے — اسواسطے بیل بیچتا ہوں
ہے محمل یار جو نظر میں — اونٹوں کی نکیل بیچتا ہوں

کل بلایا مجھکو اپنے محفل مولود میں — میں چرا لایا وہاں سے چند ہنڈیاں کھیر کی
بھائی نے بھی تو پیا ہے ساتھ آخر ماں کا دودھ — کیوں بہن کے واسطے ترکیب ہے ہمشیر کی
زاغ نامعقول کہتے ہیں مجھے اے ناز دہ — جب سے سہل میں ضرورت ہے انہیں انجیر کی

کیا بتائیں کہ ہمیں رنج ہیں کیا اے ناز — یہی کیا کم ہے کہ کل رات کو افیوں نہ ملی
سست میں رات کو بیٹھا تھا کہ وہ آپہونچے — میں نے ڈھونڈی بھی مگر مجھکو لنگوٹی نہ ملی

سرمنڈا کر ہاتھ میں تسبیح لیکر رات ناز — جانب میخانہ ہم پہونچے تو بوٹلے گئے

بدلتی ہی نہیں عادت مری محبوب بٹیاری — وہی کدو کا سالن ہے وہی بیگن کی ترکاری

بہت بیتاب تھی دلمیں مرے طاقت جوانی کی — ملی بیت الخلا میں ایک لڑکی مہترانی کی
تری خاموشیوں نے تجھکو نظروں سے گرایا ہے — ادائیں تجھسے اچھی ہیں ابھی تک تیری نانی کی

سرمیدان الفت عاشقوں کے خون پی پی کر — ٹماٹر بنگیا ہے یا چقندر...... والا
یہاں جاڑوں کے موسم میں لنگوٹی بھی نہیں ملتی — وہاں پہنے ہوئے پھرتا ہے جسٹر...... والا

جو ہم خوشی سے کسیر و سا سر منڈاتے ہیں | تو کس غضب کی وہ آگر جیت لگاتے ہیں
اسے وہ قتل کر دیتا ہے جس نازداں سے ملتا ہے | نسب معشوق کا میرے ہلاکو خاں سے ملتا ہے

نازنین۔ تذکرہ نساخ میں ان کا نام علی بیگ لکھا ہے۔ مگر تذکرہ صابر میں ایک عورت کا تخلص سے بیان کیا ہے اور یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ علی بیگ کا تخلص نہیں ہے چنانچہ لکھتے ہیں "غلط فہمان اداشناس کی نظر میں تخلص ہے مرزا علی بیگ نام جوان خوش اسلوب رستم توان بزور قوت سہراب طاقت کا۔ نازنیان کشور جمال اس کے حسن یوسفی پر اگر زلیخائی کا دم بھریں کچھ دور نہیں اور نازک نہالان گلشن حسن اسکے گل رخسار کی نازکی سے اگر آپکو غنچہ برگ ریز تصور کریں تو کیا عجب ہے۔ اس کے خم کے آگے زور آزمایان قوی زور خانہ طاقت کا سر جھکتا ہے۔ اور اس کے نعرۂ مردانہ کے سامنے شیر صولتان بیشہ شجاعت کا دم بند ہوتا ہے۔ اور یاران ادا فہم اور حریفان اداشناس جانتے ہیں کہ نازنین نام ہے اس حیلہ آفرین شعبدہ ایجاد کا ناز و انداز و غمزہ طرازی و عشوہ سازی گاہ عشاق بے قرار سے لطف کے پردہ میں جان کا خواہاں ہونا اور گاہ اغیار نامحرم کی بغل میں بے تکلف سونا الخ" بہرحال یہ دہلی کے رہنے والے تھے اور استاد ذوق کے شاگرد تھے۔ ریختی گوئی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ مولوی عبدالغفور نساخ نے ان کے کلام کو جان صاحب کے کلام پر ترجیح دی ہے۔ یہ صاحب دیوان تھے۔ مگر اب صرف تذکروں میں کلام ملتا ہے۔ دیوان ناپید ہو گیا۔ تذکرہ صابر کی ترتیب یعنی ۱۲۷۱ھ تک زندہ اور بخیریت دہلی میں موجود تھے۔ ذوق سے ان کو خاص محبت تھی۔ چنانچہ اُن کی وفات کا قطعہ تاریخ کہا ہے۔ جسکے لفظ لفظ سے عقیدت اور محبت کا چشمہ جوش مار رہا ہے۔

ہنیں ناز نیں رنج کرتی کسی کا | گیا جب سے یار اور حسرت ہے کھوئی
بلا سے رکھوں شاد دل کو تو اپنے | اگر میں نے کنبے کی عزت ڈبوئی
خصم جب موا لونڈیوں کو رُلایا | کہ اس پردہ میں نام رکھے نہ کوئی
ولیکن مجھے کاملوں سے ہے الفت | غم ذوق میں رات بھر میں نہ سوئی
لکھی اُن کی تاریخ اور یہ ہوا غم | میاں ذوق کو میں بوا آپ روئی

اسی رنگ میں قطعات نہایت عمدہ کہے ہیں تذکرہ قطعہ منتخب سے ایک قطعہ نقل کرتا ہوں۔

ناز نیں اتنا بھی ہرجائی پنا | یہ تمھارے آگیا کیا دھیان میں
روز اک جھگڑے کی ہیں ٹھانیاں | روز رہتی ہو اسی سامان میں

نمونہ کلام ریختی یہ ہے۔

ہوئی عشاق میں مشہور یوسف سا جوان کا | بوا ہم عورتوں میں تھا بڑا دیدہ زلیخا کا
میں اپنے سر کو دھوتی ہوں بوا اور یہ تماشا ہی | موا بیٹھا ہے کیا خوش خوش کہ دن آیا تقاضا کا

کوئی بیٹھا ہو تجھے ہے کام اپنے کام سے | اے نگوڑے آدمی تو تو جواں ہو گیا
سونا کبھی شوہر کو میسر نہیں ہوتا | عورت انھیں باتوں سے ترا گھر نہیں ہوتا
ایسا کسی قحبہ نے لبھایا تھا کہ شب بھر | لیٹا تو رہا پاس پہ کوسوں ہی نہیں تھا
میری نماز کھوئی اس موئے نے آکر | اٹھی تھی اے دوا میں کمبخت ابھی نہا کر
اے زناخی مردوا ہے بدگمان | تو نہ کر باتیں ہمارے کان میں
رات بھر بیہودہ ہی بات اور ہی جو ماجاتی | اے دوا ایسے ندیدے پڑا کا ہے مجھے
فوارہ کیطرح سے ذرا بھی نہ تھم سکے | تم اک بوند پانی پہ کتنا اچھل مٹے
دس گھر تو جھپٹ چکے ہیں کہاں تک کروں خصم | کس جا بٹھائے دیکھئے اب آسمان مجھے

نازک - دورِ موجودہ کے ایک شاعر ہیں جنھیں ریختی گوئی کا بدرجۂ اتم شوق ہے پرائیوٹ ایک مشاعرہ کرتے ہیں اور اسمیں مخصوص مخصوص اپنے احباب کو بلاتے ہیں جن میں خوب خوب دادِ ظرافت دیجاتی ہے - لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اب تک نہ اس رنگ کا کوئی کہنے والا کوئی آپ کو جانتا ہے اور نہ اُن لوگوں سے کوئی واقف ہے جو اس صحبت میں شریک ہوتے ہیں وہ اُس کو یہانتک چھپاتے ہیں کہ میرے اصرار کے باوجود بھی مجھکو زیادہ کلام نہیں دیا گیا - اور یہ نہ اجازت دی گئی کہ آپ کا وطن اصلی آپ کی لیاقت اور آپ کا نام تذکرے میں لکھوں تخلص ہی تخلص ہے گو آپ کا قیام فی زمانہ لکھنؤ میں ہے - مگر لکھنؤ آپ کا وطن اصلی نہیں ہے - آپ ایک بہترین شاعر ہیں - گو رنگ ریختی میں میرے نزدیک ابھی تک پختگی پیدا نہیں ہوئی ہے مگر اسیطرح مشق جاری رہی تو جلد آپ معراج ترقی پر پہونچیں گے -

خدا بچائے بوا مردوں کے دیدے سے | کہ تاک جھانک لگاتے ہیں یہ [illegible]
کو سانجی کو تو دیدے ہی نکلوا لوں گی | سات لالوں میں یہی ایک رہا ہے بنو
چار میں بیٹھ کے کیا آنکھ اٹھائے کوئی | طاق بھرنے جو اکیلی چلی جائے کوئی
انگلیاں بھونک کے آنکھو نہیں جگایا شب بھر | نوج نرگس کو بوا ساتھ سلائے کوئی
میں تو لو لڑتے میں بوا صاف یہ کہدیتی ہوں | منہ سے کہہ دے ہمیں دیدے تو دکھائے کوئی
میں نگوڑی کہیں آئی نہ گئی اے بنّو | پھر بھی لاکھوں مجھے الزام دیے جاتے ہیں
اکیلے رات کو کیوں آئے تم یہاں مرزا | جو کائیں کائیں مچانے لگی موئی بطخ
ندیدی ایسی کہیں نوج ہو کوئی جینیا | اب انڈے دے کے بھی کھانے لگی موئی بطخ

بیٹوں والی پوتوں والی | ہاتھوں میں چھلے کانوں میں بالی
دانتوں میں مسی دانتوں پر سہرا | ماتھے پہ افشاں ہونٹوں میں لالی
میں نے سب کو سمجھا ہے | سب ہیں میری دیکھی بھالی

ناطق تخلص ہے میرے استاد مکرم مولوی سید ابوالحسن صاحب کا وطن اصلی گلاوٹھی ضلع بلندشہر ہے۔ مگر اپنے کاروبار کے سلسلہ کی وجہ سے ناگپور سی پی میں مقیم رہتے ہیں۔ مولانا عربی فارسی انگریزی اردو ناگری کے منتہی فاضل ہیں اور لطف یہ کہ آپ کو تمام درسیہ کتابیں مستحضر ہیں شاعری میں آپ استاد داغ مرحوم کے ایک مایۂ ناز شاگرد ہیں اور اسیوجہ سے زبان پر اتنی زبردست قدرت ہے جسکا جواب نہیں۔ محاورہ بندی کا آپکو بہایت زبردست شوق ہے۔ اور اسمیں سوائے ذوق مرحوم کے شاید کسی شخص کو کبھی اتنی کامیابی نہیں ہوئی۔ آپ کی غزلیں زبان میں ایسی ایسی ہیں کہ دوسری جگہ اُن کی نظیر نہیں۔ زود گوئی کے ساتھ خوشگوئی اور سخن فہمی آپ کا خاصہ ہے۔ غزلیات کے علاوہ نیچرل نظموں میں بھی آپ کو قدرت حاصل ہے۔ نطق ناطق آپ کی نیچرل نظموں کا مجموعہ عرصہ ہوا کہ طبع ہو چکا ہے عرصہ سے چونکہ آپ کو سیاسی امور سے ایک گہری دلچسپی ہوگئی ہے۔ اسواسطے اب اب مہینوں سے یہ نوبت بھی نہیں آتی کہ آپ کوئی غزل لکھیں۔ البتہ آپنے دیوان غالب کی جو ایک شرح لکھی ہے وہ بہ تسلسل جلوۂ یار میں شائع ہو رہی ہے۔ راقم الحروف سے آپ کی قرابت بھی ہے سنہ ۱۹ء میں آپ سے نیاز حاصل ہوا اسوقت سے آپ کی خاص عنایات اُسی زار کے حال پر مبذول رہیں۔ گو اب عرصہ سے خط و کتابت بھی متروک ہے۔ مگر بعد معنوی نہیں ہے۔ آپ ظرافت گو مستقلاً نہیں کہتے۔ لیکن بعض مرتبہ اسکا بھی اتفاق ہوا ہے اسیوجہ سے اکثر غزلوں غزلوں میں ظریفانہ شعر نکل جاتے ہیں جنھیں مہذب ظرافت کے دائرہ میں رکھنا چاہئیے۔ چنانچہ ذیل میں کچھ اشعار اسی انداز کے لکھتا ہوں۔ آپ کی عمر اب تقریباً ۵۰ - ۵۵ - سال ہوگی۔

آئے گا دیکھا گھول کے پی جائیگا دشمن — دیکھو تو ہمیں ہم بھی نہیں منھ کے نوالے
کچھ غیر کو ملجائے گا انعام وفا کا — اس شوخ نے کچھ ہمکو اڑہائے ہیں دوشالے
گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے بلطوا — دشمن نے تو کچھوے کی طرح پاؤں نکالے
پہلے تو اڑے مجھسے وہ آکر مرے بس میں — جب بس نہ چلا کچھ تو کہا صبر جو لے

رنجش بے جا نکالی جائیگی — یہ مروت کس سے پالی جائیگی
دھر لیا جائیگا واعظ چھیڑ کر — دختر رز کو توالی جائیگی

نکل دل سے جو تو عادی نہیں ہے کو توالی کا — خدا کے گھر میں ہے کیا کام ایسے بے نمازی کا

ہمارے میکدے میں محتسب کا ڈر نہیں واعظ — کہ پہلے ہی یہاں حصہ نکل جاتا ہے قاضی کا

دھتر س پانوں تو دریاں کھینچ ڈالے پاؤں ہاے — مار دل ہاتھ اگر پاؤں کی آواز سنو

مذاق ہے یہ جفا کچھ جفا نہیں ہمدم — یونہی وہ دیکھ رہے ہیں ذرا ستا کے مجھے

ایک صاحب جو مولانا کو ہمیشہ دوستانہ نصائح کر کر کے پریشان کیا کرتے تھے
اُن کے لیئے ایک شعر کہا۔

یہ مقولہ ناصح مشفق پہ پھبتا ہو گیا — موت نا آیا نہیں اور اونٹ بوڑہا گیا

ایک مرتبہ مادران جنگ عظیم میں ایک قطعہ لکھا تھا جسکا ایک یہ شعر ہے۔

آتی مثل صادق ہے اسوقت قسطنطین پر — ساری خدائی اک طرف جورو کا بھائی اک طرف

ناگپور میں ایک صاحب تھے جو بظاہر درویش تھے باطن کو خدا جانے کہ کیا تھا

اتفاق سے مولانا سے اور ان سے کچھ سخت باتیں ہو گئیں اور بڑھتے بڑھتے انجام دشمنی تک پہونچا۔ اسپر مولانا نے یہ رباعیاں لکھیں۔

دولت کا ہمیشہ ایک دستور نہیں ۔۔۔ جز خوبی بخت ہمکو منظور نہیں
لگتی نہیں روز ہاتھ اندھے کے بٹیر ۔۔۔ ہر شخص جو لنگڑا ہے وہ تیمور نہیں

بد نسل کی اصل پر نظر ہے کہ نہیں ۔۔۔ ناطق کو نسبت کی خبر ہے کہ نہیں
دشمن کی کمینہ پن پہ حیرت کیا خوب ۔۔۔ دادی ڈھرنی تھی وہ اثر ہے کہ نہیں

خمار ہے جب خم سے بد لگر بد خو ۔۔۔ ایماں کی مردود نہیں تجھ میں بو
بیوجہ ابو الحسن کا دشمن کیوں ہے ۔۔۔ اولاد یزید ہے کہ ابن ملجم ہے تو

چند لوگ تھے کہ اُن درویش کی حمایت میں مولانا سے کاوش رکھنے لگے۔ مگر فوجی لوگ تھے جنگ جرمنی شروع ہوئی اور اُن سب کو جنگ میں جانا پڑا۔ مولانا کو ایک موقعہ ملا یہ رباعیاں کہیں۔

جو گولی سے مارنے کو تھے نا ہنجار ۔۔۔ وہ توپ کے منھ میں جا پڑے آخر کار
حق کے لئے ناطق سے عداوت ہی جنھیں ۔۔۔ ہو جائینگے رفتہ رفتہ سارے فی النار

سچ بولنے والا آبرو کھوتا ہے ۔۔۔ سچا جھوٹے   وتا ہے
یہ سچ ہے مگر دیکھو تو سچ پھر سچ ہے ۔۔۔ سنلو یارو جھوٹے کے منھ میں گوہ ہوتا ہی

نسبت ۔ میر احمد علی نام تھا۔ نسبت تخلص فرماتے تھے۔ لکھنؤ کے مشہور و معروف ریختی گو تھے۔ جان صاحب کے معاصر تھے۔ بلکہ جان صاحب نے اپنے

دیوان میں جا بجا اِن کے کمال کا اعتراف کیا ہے۔ میں نے بھی ان کا دیوان دیکھا ہے اگرچہ لکھنویت اسمیں کافی موجود ہے رعایات لفظی کا گورکھ دہندا اسمیں اسقدر نظر آتا ہے کہ اس سے طبیعت گھبرا اٹھتی ہے۔ مگر پھر بھی جان صاحب کے کلام سے ان کا کلام نسبتاً اچھا ہے بعض جگہ حدود اعتدال سے بڑھ جاتے ہیں تو ریختی سے گزر کر فواحش کی خبر لاتے ہیں۔ بعض جگہ کلام میں ضرورت سے زیادہ پھیکا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر مجموعی حیثیت سے ان کا کلام بہت اچھا ہے۔ افسوس ہے کہ اسوقت میرے پاس دیوان موجود نہیں ہے۔ مجبوراً دو شعر تذکرہ نساخ سے اور باقی اپنی یاد سے لکھتا ہوں۔

اے دوگانا وہ اگلی آنکھ نہیں — مجھسے تیری یہ پھر گئی ہے آنکھ

بل ہر اک شخص سے جو کرتی ہے — کسی بانکے سے کیا لڑی ہے آنکھ

کیوں لال... والے کا تم لیتی نام ہو — فجری فجر نہ نام لو اچھی بڑی بوا

محل میں خواجہ بدامی نچھوٹنے پاوے — یہ حکم آیا ہے انا جناب عالی کا

بھٹے میں ہر کسی کے پاؤں تم کیوں دیتی ہو خانم — بھلا ہے شوق اے بی بی تمہیں جھگڑا چکانے کا

... کھولے کیوں پڑی پھرتی ہو کیا ماؤں ہوا — دیکھو کپڑا آ گئے ڈھانکو کیا تمہیں ... ہوا

بس پڑے ہٹا اتنا بیلاپن مجھے بھاتا نہیں — ہو گیا تو ادرا ابھی سارا نہیں......

شمع جلواؤ لگی میں... میں تیری لونڈی — جو بہلا چاہتی ہے کر مراد پیدا

کہتی ہے انگلی سی گھر بار بسایا اس نے — کرتی کیوں اپنے بنے پر ہی تو بہتان بجی

چھاتیاں کھولے جو درائی چلی آتی ہو — اجی بہنوئی ہے ہیٹا نہیں شرماتی ہو

ممانی ماموں کہیں نہو وے دیکھو بہن بھی کھائی ہے — مجھے چھپا دو کہ مارے ڈر کے کلیجہ دھڑ کرہا ہے

جاتا ہے وہ اندھیرے میں اسکے واسطے — ایسا نہ ہو میانی ہیں باندی چراغ شمع

کیلے کو دیکھکر مرا جی کلبلا اٹھا — اے کاشکے نہ آتی مرا اس آن باغ میں

اوپر کے دل سے بنو یہ کہہ لیں نہیں نہیں ‏ ‏ جب مرد وا ملے تو یہ دیکھیں نہیں نہیں

مجھکو یہ نسبت نہیں باتیں ہیں تیری بھاتیاں ‏ ‏ جب نہ تب آگر جو تو ملنے لگے ہی......

نظر۔ جناب احسن لکھنوی کے بھائی ہیں غالباً مشاعروں میں بہت کم شرکت کرتے ہیں ایک غزل دستیاب ہوئی جو درج کرتا ہوں افسوس کہ زیادہ حالات معلوم نہیں ہوئے۔

لطف آجائے تو بنوٹ سے گردن نہ جدا ‏ ‏ سر جدا پانوں جدا ہاتھ جدا شانہ جدا

پانی کے پینے کو رکھتا ہوں میں پیمانہ جدا ‏ ‏ کھچڑی کھاتا ہوں ہیں وہ جبکا ہو شرانہ جدا

دیکھ لو چاندی یہ ہے سونے کا پانی یہ بھرا ‏ ‏ روشنی رکھتا ہے ملبوس شریفانہ جدا

آتی ہے جنگلی کبوتر کی غٹرغوں کی صدا ‏ ‏ دور ہے بستی سے لے پیارے یہ ویرانہ جدا

عشق کمبخت نے دونوں کو بنایا پاگل ‏ ‏ وہ سڑی ہو گئے میں ہو گیا دیوانہ جدا

پالسی ٹے کی بھر دل پیئے گھٹنوں گھٹنوں ‏ ‏ ٹانک کی ٹانک ہو پیمانہ کا پیمانہ جدا

غال کو چاہتے مستی سے بہت دور رہے ‏ ‏ دیکھ لو رہتا ہے عناب سے بہدانہ جدا

نظیر۔ شیخ ولی محمد نام تھا۔ آگرہ میں بیرون شہر روضہ تاج گنج کے قریب رہتے تھے اور معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ نہایت خلیق وضعدار زندہ دل بزرگ تھے۔ جوانی میں نہایت شوقین تھے اور شہر کے تمام میلوں ٹھیلوں اور جلسوں میں شرکت کرتے اور اُن کے تجربات سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے میل ملت میں نظیر نہ تھے بلکہ بے نظیر تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ صبح کو ملنے جاتے تھے تو شام ہو جاتی تھی۔ مذہب شیعہ رکھتے تھے۔ مگر اتنے بے تعصب اور نیک مزاج تھے کہ شیعہ سنی کی تفریق تو در کنار ہندوں سے بھی وہی ربط وضبط اور خلوص تھا۔

جو مسلمانوں سے تھا۔ اصل یہ ہے کہ ان کا مذہب حکمائے یونان کے مقولہ کی مطابق
صرف درستی اخلاق اور تکمیل صفات انسانی تھا۔ ان کو شیعہ محض اسی خیال کی وجہ سے
کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے دوسرے سنی شعرا کی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ
علیہم اجمعین کی تعریف نہیں کی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کی منقبت میں غلو اور
مبالغہ کیا ہے۔ مگر بقول شہباز مرحوم مصنف زندگانی بے نظیر یعنی سوانح عمری
نظیر" میاں نظیر جب مرگئے تو ہندو شاگردوں نے چاہا کہ اپنے طور پر ان کی موت پر
اظہار تاسف کریں۔ نظیر کے خاندان کے لوگوں نے کچھ مخالفت کرنی چاہی تو اُن
ہندوں نے کہا کہ اگر مخالفت کروگے تو گرو نانک شاہ کا حال ہوگا۔ کہ نصف
چادر مسلمانوں نے دفن کی تھی نصف جلائی گئی تھی۔ اس تقریر پر وارثوں نے
تعرض چھوڑ دیا۔ اور ان کو اپنے طور پر نظیر مرحوم کی صلح کل کا خراج ادا کرنے دیا" جب نظیر کا
انتقال ہوا کئی ہزار آدمی ہندو مسلمان جمع تھے۔ چونکہ ان کا مذہب اثنا عشری تھا
بڑی دہوم سے نماز جنازہ حسب مذہب اثنا عشری پڑہائی گئی۔ مگر دو نمازیں پڑہی گئیں
جسقدر اُن کے شاگرد اہل سنت تھے۔ انھوں نے الگ اپنا گروہ کرکے نماز پڑھی۔ اور
اوپر کی چادر ان کی پارچہ پارچہ کرکے اہل ہندو لے گئے۔ نہیں معلوم ہندو شاگردوں نے
پارچے رکھے جلائے کیا کیے" روز دوشنبہ ۲۶ صفر ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۶۔ اگست
۱۸۳۰ع اور بقول بعض ۱۲۴۳ھ میں انتقال کیا۔

نظیر کے کلام میں تمام اصناف سخن یکساں طور پر پائی جاتی ہیں جن کو دیکھکر ماننا
پڑتا ہے کہ وہ قادر الکلام اور جملہ اصناف بلکہ تمام رنگوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے
نہایت زودگو اور پرگو واقع ہوئے تھے بات بات پر بڑی بڑی نظمیں کہدینا ان کے نزدیک
ایک معمولی بات تھی۔ اور لطف یہ کہ ہر مذہب کے موافق اور ہر مسلک کے مطابق۔ شہر کی
مشہور چیزوں۔ کھانوں۔ عمارتوں۔ میلوں۔ بازیگروں۔ تماشوں۔ وغیرہ کا ذکر کردینا

کی بے حقیقتی - اور اہل جہاں کے طور و طرق کا تذکرہ - دولت - مفلسی - عیاشی - تماشبینی
بھنگ چرس - افیون - وغیرہ وغیرہ کے متعلق بڑے زبردست نظمیں اُن کے یہاں
ملتی ہیں - ہندوؤں کے تہوار - دسہرے - ہولی - دیوالی - کنہیا جی کے جنم لینے کی
کیفیت بھی اسی جوش و خروش سے بیان کرتے ہیں جس طرح مسلمانوں کے عید
بقر عید - محرم شبرات کا ذکر کرتے ہیں - دونوں سے یکساں محبت - دونوں سے ایک
سا برتاؤ - دونوں سے وہی خلوص - وہی دوستی - با مسلمان اللہ اللہ با برہمن
رام رام پر عامل - لفظوں کی وہ افراط کہ ایک ذخار دریا موجیں مارتا دکھائی
دیتا ہے - معانی کی وہ بہتات کہ شہوار موتیوں کا انبار نظر آتا ہے - بیان کی
سلاست ایسی کہ کہیں رکاوٹ کا نام نہیں - بندش کی وہ چستی کہ کڑی سے کڑی ملی
چلی جاتی ہے - تصویر کشی اور محاکات کا یہ عالم کہ جب تاج گنج کے روضہ کی تعریف
ہم پڑھتے ہیں تو ہماری آنکھیں اس کے ایک ایک نقش و نگار ایک ایک جالی کو
دیکھ لیتی ہیں جب ریچھ والے کی تعریف نظر آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک قلندر
کان چھدوائے سر پر بڑا سا پگڑ باندھے ہاتھ میں موٹا سا سونٹا لئے - ریچھ کے بچے کی
نکیل پکڑے اسکو نچا رہا ہے اور اپنے سونٹے سے اسکو سدھا رہا ہے - دنیا کی بے بقائی
اور عالم کی بے ثباتی کے اشعار سامنے آتے ہیں تو دل کو یقین آجاتا ہے - کہ روپیہ پیسہ
دھن دولت - مال و اسباب سب ہیچ - ہم - اور ہماری خواہشات لا یعنی - ہماری
بود و بے بود - ہماری ہستی عین فنا ہے - دیوالی کی تعریف پڑھتے ہیں تو ہماری آنکھیں
دیکھتی ہیں کہ در و دیوار پر چراغاں ہے - مٹھائی کی دوکانیں سجی ہوئی ہیں - مٹی کے
کھلونے بیچنے والوں کی دوکانوں کی دو طرفہ قطاریں لگی ہوئی ہیں - بھڑبھونجے
کھیلیں بیچ رہے ہیں - دنیا کی رسم و رواج کے پابند رومالوں میں کھیلیں باندھ
باندھ کر لیجا رہے ہیں - جواری اپنے اکھاڑوں میں اترے ہوئے ہیں - چھ نوا کوڑ

کے داؤں کی آوازیں بلند ہوئیں - شوقین مزاج گھوم رہے ہے بازار کی رونق کا لطف اُٹھا رہے ہیں - بعض بڈھے اپنے بچوں کی انگلی پکڑے دکان دکان دکھاتے پھر رہے ہیں - تماشائیوں کا ہجوم ہے - کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی غرضکہ اسی طرح ہر ایک نظم میں جزئیات سے بحث کرنا نظیر کا خاص حصہ ہے -

گو بعض نقادوں کی رائے سراسر نظیر کے خلاف ہے - مگر یہ ایک صریح ظلم ہے - حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین نے نظیر سے بہتر کوئی شاعر پیدا نہیں کیا - وہی ایک شخص ہے جسے ایران کا سعدی اور انگلینڈ کا شیکسپیر کہہ سکتے ہیں - وہ نظمیں جو آج نیچرل کے نام سے مشہور ہیں جن پر جدید طرز کا انحصار ہے اُن کا موجد نظیر ہی کو ماننا پڑے گا - نظیر کے انتقال کو سو برس سے زیادہ کا زمانہ ہو گیا مگر اسکی زبان آج کی زبان ہے - اسکی بندش اتنی ہی چست ہے جتنی ہونا چاہیئے - اسکی مثنوی غزل رباعی اردو فارسی کا ایک درجہ ہے -

نظیر کی ظرافت اگرچہ ہزل اور بعض دفعہ فواحش تک پہونچ جاتی ہے مگر اس کے الفاظ و خیالات اُسکو بے مزہ اور پھیکا نہیں ہونے دیتے - اسکی ظرافت میں تصنع اور آورد کا نام نہیں ہے جس طرح اسکی صوفیانہ نظمیں اپنی روانی وغیرہ میں لاجواب اور عدیم المثال ہیں اسی طرح ظریفانہ اشعار جس طرح اُنہیں درد ہے اسیطرح ان میں اثر ہے وہ اور لوگوں کی طرح نہیں تھا جو طبیعت کو ظرافت گوئی کی طرف آمادہ اور مجبور کرتے ہیں - بلکہ طبیعت خود اسکو اکساتی اور ظرافت کے وادی کی طرف لے آتی ہے - جس کا نمونہ جستہ جستہ درج کیا جاتا ہے - حقیقت یہ ہے کہ نظیر کی نظمیں جب پوری پوری لکھی جائیں تب خاص لطف آتا ہے - یا اگر ان میں سے اسکی ظرافت کا انتخاب کم از کم پورا کر کے پیش کرنا چاہیئے - مگر دونوں صورتوں میں معمول سے زیادہ طوالت ہے لہذا

بہت ہے ہلکا اور کم انتخاب کرکے ہزلیات و فواحش کو نظر انداز کرتا ہوں۔

بڑھاپا

آگے تو پریزاد یہ کہتے تھے ہمیں گھیر　　آتے تھے چلے آپ جو لگتی تھی کہیں دیر
لو آکے بڑھاپے نے کیا اور یہ اندھیر　　جو دوڑ کے ملتے تھے وہ اب لیتے ہیں منھ پھیر
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

آگے تھے جہاں گلبدن اور یوسف ثانی　　دیتے تھے ہمیں پیار سے چھلوں کی نشانی
مرجائیں تو اب منھ میں نہ ڈالے کوئی پانی　　کس دکھ میں ہمیں چھوڑ گئی ہائے جوانی
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

ہم بھی تھے جوانی میں بہت عشق کے بوئے　　وہ کون سے گلرو ہیں جو ہمنے نہیں گھوئے
اب آکے بڑھاپے میں کئے ایسے ادھوئے　　پر جھڑ گئے دم اُڑ گئی پھرتے ہیں اللہ دوئے
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کیا یار گیا ہمسے الٹ ہائے زمانا　　جو شخص کہ تھے اپنی نگاہوں کا نشانا
چھیڑے ہے کوئی ڈال کے دادا کا بہانا　　ہنسکر کوئی کہتا ہے کہاں جاتے ہو نانا
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

پوچھیں ہیں جسے کہتا ہے کیا پوچھے ہے بڈھے　　دیکھیں ہیں جسے کہتا ہی کیا دیکھے ہے بڈھے
بیٹھیں ہیں تو ہو دھوم کہاں بیٹھے ہیں بڈھے　　آویں ہیں تو یہ غل کہ کہاں آوے ہی بڈھے

سب چیز کو ہوتا ہے بڑا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

نظیر بلبلیں لڑاتے ہیں

کل بلبلیں جو نو دس تابو میں اپنے آئیں
اسمیں سے دو پکڑ کر کشتی میں دھر بھڑائیں
یہ شور سن کے خلقت دوڑائی دائیں بائیں
کوئی بولا واہ حضرت کوئی بولا لو سائیں

سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

دس میں تو دو لڑ کٹ کٹ اڑتی تھیں کے گڈا
جب تیسری کو چھوڑا پھر تو ہوا بکھیڑا
خلقت یہ آکے ٹوٹی چھوڑا اپنا اڈا
کڑکی کسی کی پسلی ٹوٹا کسی کا ہڈا

سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

تھی تین کی یہ کشتی چوتھی کو اسمیں چھوڑا
اس نے تو خم بجا کر تینوں کو دھر جھنجھوڑا
پھر تو یہ پھکا آکر ان کشتیوں کا کوڑا
چھوٹا کسی کا ہاتھی بھاگا کسی کا گھوڑا

سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اسطرح ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

اک کنکری جو ماری ڑھ ہمنے پھر فسونکی
کشتی میں گٹھری بندھگئی ان چاروں بلبلونکی
سن سن کے جنھیں انکی لڑنے میں غزغوں کی
سب بولے واہ حضرت اچھی پڑھ کے پھونکی

سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اسطرح ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

بھنگ کی تعریف

ہیں اس نشے میں ظالم سو رنگ کے دھڑاکے کونڈی کی ڈگمگاہٹ سونٹے کے سو کھڑاکے
گر دیکھتی ہیں تجھکو کچھ عیش کے جھڑاکے تو جھاڑ اپنے پنجے اور سر کو جھڑجھڑا کے

پی عاشقوں میں آکر دو بھنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

کیوں ہٹ بیٹھا ہے ڈالے کان میں غفلت کا تیل خلق میں کیا کیا مچی ہے سبزیوں کی ریل پیل
کھول زلف عیش کو اور ڈال ہیلے کا پھلیل پھر چڑھا دے آسمان عیش پر عشرت کی بیل

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

مرشد و مولا سے پوچھا میں نے اے پیر زمن میری کچھ لگتی نہیں للہ سے دل کی لگن
سنکے بولے وہ بتائیں ہم تجھے اس کا جتن جا شتاب اور جلد سبزی لیکے اک دو چار من

کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

اندھیری رات

جب یار چلا اوڑھ کے کالا سا دوشالا کمبل کو ادھر ہم نے بھی کاندھے پہ سنبھالا
جا مل گئے اور دل کا بھی ارمان نکالا منھ اُسکے رقیبوں کا کیا خوب سا کالا

کیا وصل کی رکھتی ہے کرامات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

بوسہ لیا منہ موڑ الگ ہو رہے چپکے
چھاتی سے لگا چھوڑ الگ ہو رہے چپکے
سینے کا وہ پھل توڑ الگ ہو رہے چپکے
اغیار کا سر پھوڑ الگ ہو رہے چپکے

کیا وصل کی رکھتی ہے کرامات اندھیری

کل یار نے اور ہمنے جو پی مل کے گلابی
اور عیش لگے کرنے جو ہو ہو کے شرابی
اتنے میں رقیب آگیا بو سونگھ شتابی
گر چاندنی ہوتی تو بڑی ہوتی خرابی

ٹالے ہے سب آئی ہوئی آفات اندھیری

سوتے تھے جو ہم اُنہیں سُنتے غیر کے کھٹکے
چھپ چھپ گئے اُٹھ دونوں وہیں نیچے پلنگ کے
ہم سنتے رہے اُسکے ڈھیکٹ ہوے جو مارے
کتنا ہی ٹٹولا جو اجالا ہو تو پاوے

چوری کی بھی رکھ لیتی ہے کیا بات اندھیری

بسنت

جب پھول کا سرسوں کے ہوا آکے کھلنتا
اور عیش کی نظروں سے نگاہوں کا لڑنتا
ہم نے بھی دل اپنے کے تئیں کرکے بچنتا
اور ہنس کے کہا یار سے اے لکڑ بھونتا

سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

تھے اپنے گلے میں تو کئی من کے پڑے ہار
اور یار کے گجرے بھی تھے اگ دھون کی مقدار
انکھوں میں نشے کے ابلتے تھے دہراں ہا
جو سامنے آتا تھا یہی کہتے تھے للکار

روں کی بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

برسات کی بہاریں

جو کسبیاں جوانی حسن میں پرتیاں ہیں
سینوں میں لال انگیاں اور لال کرتیاں ہیں
نظریں بھی بدلیاں ہیں دلمیں بھی سرتیاں ہیں
اک اک نگہ میں کافر بجلی بھی بھرتیاں ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو نوجواں ہیں انکی تیاریاں بڑی ہیں
ہاتھوں میں لال چھڑیاں کوٹھوں اوپر کھڑی ہیں

اور وہ جو آشنا سے جھگڑی ہیں یا اڑی ہیں
منھ کو چھپا پلنگ پر جلتی ہوئی پڑی ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی اپنے آشنا سے کر ناز کا جھپیٹا
کہتی ہے ہنسکے کافر چٹکی لے یا نہ ٹا

تجسے تو دل ہمارا اب ہوگیا ہے کھٹا
تم آج بھی نہ لائے رنگوا مرا دوپٹا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے قول باندھا معمولی ڈیکے پیسے
کہتی ہیں شاد ہوکے یوں اپنے آشنا سے

برسات بھر تو ہل کے سنتے ہو جان پیارے
احمق ہو جو پلنگ سے اب موتنے کو اترے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بھنگ

الفت کے زمرد کی یہ کھیت کی بوٹی ہے
پتوں کی جھلک اسکی کمخواب کی بوٹی ہے

منھ جسکے لگی اُسنے پھر کاہیکو چھوٹی ہے
یہ تان ٹکورے کی اس بات پہ ٹوٹی ہے

کونڈی کے نقارے پر خشکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

سخاوت و عشرت

یہ نعمتیں ہیں جتنی جو کچھ ملیں سو کھا جا
تاش اور بادلے میں اک بار جگمگا جا

بابا بخیل مت بن داتا سخی کہا جا
اکدم تو اپنا ڈنکا من مانتا بجا جا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال ہال دہن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

ریچھ کا بچا

کہتا تھا کوئی ہمسے میاں آؤ قلندر
وہ کیا ہوئے اگلے جو تمھارے تھے وہ بندر
ہم اُن سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر
ہاں چھوڑ دیا بابا انھیں جنگلے کے اندر
جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچا

روٹیاں

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں
پھولے نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں
سینہ اُپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں سب دکھاتی ہیں روٹیاں

نوچی اور نائکا کی لڑائی

مرتی نہیں بہنیا یہ گزرتی نہیں ڈھڈھو
اور قہر خدا سے بھی یہ ڈرتی نہیں ڈھڈھو
لب اپنے ذرا بند یہ کرتی نہیں ڈھڈھو
کیا سخت خرابی ہے یہ مرتی نہیں ڈھڈھو

ایسا جو مرے پاس لگے جائیگی چھانپو
اک روز مجھے گھر سے نکلوائیگی چھانپو

نمناک شے چھپا کر برسات میں نہ رکھو — لگ جائیگی پھپھوندی کہتے ہیں جسکو کائی
دشمن کی آگ ابتو دشمن کو پھونکدے گی — اب ہوگئی اُسکی ڈبیہ دیا سلائی
اب تو مزاج دشمن کھٹولہ پہ چل رہا ہے — اُنکے سگوں سے اسکی اچھی ہوئی رکھائی
اُنکے دم قدم کا اغیار میں شرف ہے — چنگی کے جیسے بھنگی ہیں مصدر صفائی
بے شبہ اے نکیلے تحقیق ہے سلف سے — جو ہیں بھلائی پیشہ کرتے نہیں برائی

پیر میخانہ نصیبہ سے اگر تو ہو جائے — بے پئے پھر تو عدو کا ٹھکانا ہو جائے
بات تو جب ہے کہ اک چھو میں نفرہ ہو جائے — میرے آ گے سے عدو نو کدم آ ہو جائے
دام تزویر اگر زلف پریرو ہو جائے — اس بھنور جال میں پھر الجھی الجھو ہو جائے

شب وعدہ بہت رد یا انہیں زخم پنہانی — وفور شوق سے خلوت میں گھٹنوں ہو گیا پانی
چلیدن بے محل بکا رہے اے ابر نیسانی — نہ ہو لطین صدف میں بوند جیسا لعل بدخشانی
عیاں تھیں ہر مسلماں میں کبھی اسلام کی شانیں — مگر ابتو رہی ہے صرف کہنے کو مسلمانی
بہت مشکل تھا راز آشنائی کا سمجھ لینا — مگر چالاک دشمن اور کسی کا وقت نادانی
کہیں تذکیر کی تعریف میں پھرتا ہی مستانہ — کہیں تانیث کے پردے میں ہے آوارہ مستانی
شب وعدہ ہوا یہ اہتمام دعوت مہماں — کبھی سنبوسہ لہسن کبھی ہے گشت بریانی
نکیلے دست نازک کی جو انگلی ہاتھ آئی ہے — تو اب پہونچا پکڑنے کیلئے کافی ہے دربانی

رہنے والا عیش منزل کا نئے مسکن میں ہے — خون حسرت گردش ایام سے کترن میں ہے
پیٹ کی خاطر سپاہی سر بکف پلٹن میں ہے — نان نفقے کے بدولت ٹرتکے دامن میں ہے
شہ سواری کا ہنر چابک سواری کا کمال — صرف اک راز خفی ہے جو نہاں آسن میں ہے

سب کھا چکی اب مجھ کو بھی کیا کھائیگی جھانپو
وہ کون سا دن ہوگا جو مر جائیگی جھانپو

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آئی وہی آن ڈہلی
آؤ پرو دس بکھیلیں ٹھالی سے بیگار بھلی

نکیلا - محمد یوسف نام ہے - قدیم وطن شہر جونپور ہے - مگر آٹھ نو سال کی عمر تھی جب ۱۸۹۱ء میں اپنے نانا محمد خضر خاں مرحوم اور اپنے ماموں محمد اسمٰعیل خاں رنگیلے مرحوم کے پاس جونپور سے بمقام مین پوری چلے آئے - یہیں تعلیم و تربیت پائی اور بعدہ اپنے نانا کے پاس محرری کا کام کرتے رہے - چونکہ رنگیلے مرحوم کی صحبت تھی اس واسطے شعر و شاعری کا شوق ہوا - اور مدتوں تک چھپا چھپا کر شعر کہتے رہے - مگر ابھی تک رنگ قدیم عاشقانہ میں شعر کہتے تھے - جب رنگیلے مرحوم کو خبر ہوئی تو وہی اصلاح دیتے رہے اسکے بعد ۱۹۳۰ء میں جب رنگیلے مرحوم کا انتقال ہو گیا تو اُن کے احباب نے نکیلے صاحب کو اُن کے ماموں کا رنگ ظرافت اختیار کرنے پر مجبور کیا - چونکہ برابر رنگیلے کی صحبت رہی تھی اور وہ رنگ اچھی طرح ان پر اثر کر چکا تھا اس واسطے انھوں نے ظریفانہ رنگ اختیار کر لیا - مگر عوارض جسمانی اور افکار خانہ داری نے پورے طور سے ادھر متوجہ نہیں ہونے دیا - پھر بھی آپ کا رنگ ظریفانہ غنیمت ہے اور وکم ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس رنگ کو تھوڑی بہت طبیعت سے مناسبت ضرور ہے چنانچہ کلام کا نمونہ انتخاب یہ ہے -

پر چلبلی طبیعت جب پھاندنے پہ آئی
پھر کیا ہے پھر تو کچھ ہو خندق ہو یا ہو کھائی

اب راہ پر کسی کو تقدیر کھینچ لائی
قسمت پھری کسیکی شامت کسیکی آئی

جب ایک کا بھی تم سے مطلب نہیں نکلتا
لے لیتے ہو تو پھر کیوں دنیا سے مفت سائی

اپنی آنکھوں کا اسے سمجھیں نہ کیوں عشاق نور — سوختہ پاپوش پائے یار کا انجن میں ہے

شیر بازاری کی کھرچن میں مزا تو ہے مگر — ذائقہ کچھ اور ہی گھر کے دودھ کی کھرچن میں ہے

ہے مری فرد خطا اللہ کی رحمت کے ساتھ — عفو کا فرمان ننھی رشتۂ سوزن میں ہے

چلنے پھرنے میں نہیں محسوس ہوتا کچھ ثقل — جنس ہستی کا ذخیرہ گویا مرے دامن میں ہے

مل نہیں سکتی جہاں میں اس مٹھائی کی مثال — جو نکیلے یار کے سنبوسۂ بیسن میں ہے

یہ بندہ رہ بھبکیاں یہ ظلم بے بنیاد رہنے دے — نیام طیش میں شمشیر مادر زاد رہنے دے

چمن میں چار تنکوں سے بنا ہے آشیاں میرا — بچا کر اپنی جھاڑو سے انھیں صیاد رہنے دے

رہے تو جب کبھی آپے میں اپنے ہوش میں اپنے — نظر سے دور جب ساقی فیض آباد رہنے دے

زمیں اپنی اگر گوہاں کرنا چاہتا ہے تو — تو اپنے کھیت میں کچھ روز میرا کھاد رہنے دے

مجھے تاڑی قطرے اگر دینا ہے اے ساقی — مرے دشمن کو پینے کو تلی میں گاد رہنے دے

اگر جاتا رہا تو پھر کھجانے کا مزہ رخصت — نہ کر اسکا تدارک اے مسیحا داد رہنے دے

مونج کا رسا کمر میں ٹاٹ کی دستار ہے — اس ادا کے بھیس میں کنجڑا کے میرا یار ہے

یہ نہ سمجھیں آپ ہستی تاڑ کی بے کار ہے — یہ تو تاڑی خانہ کا اک منزلہ مینار ہے

چار میں ننگا اسے ہو جانے میں کب عار ہے — بے حیا بھی کیسی پکی بے حیا تلوار ہے

یہ اگر سچ ہے کہ شملہ علم کی معیار ہے — تو ستارہ علم کی تقدیر کا مدار ہے

نوجواں اب بھی بڑھاپے میں ہمارا یار ہے — یہ پرانی چال کا ٹھیلہ بھی موٹر کار ہے

پیار ہم کرتے وقت تم کیوں کاٹ کھاتے ہو ہمیں — دوستی میں دشمنی کا کون سا بیوہار ہے

یہ لبادہ ہے پرانی چال کا اچھا لباس — کرتے کا کرتا ہے اور شلوار کی شلوار ہے

فرق اتنا ہے ذرا کرتہ ہو یا کرتی تری — ایک ہے محروم دامن ایک دامن دار ہے

بانس کا ڈنڈا پرانا یا نیا جلبیا بھی ہو — یہ پرانا اور بے لیسنس کا ہتھیار ہے
کان پر دھرتے تھے تم تو ہاتھ ذکر غیر پر — زیر دامن اب یہ کس کا تحفہ کردار ہے

آباد ہے الّو سے ہر قبۂ ویرانہ — ہر ٹھونٹھ نشیمن ہے ہر تار ہے کاشانہ
حرکت کا تری صدقہ اے لغزش مستانہ — ٹھلیا کا ہر اک ٹکڑا ہے غیرت پیمانہ
ساقی کی عنایت سے ہر مست خراباتی — ہے رقص مسرت میں سر پر لئے میخانہ
دنیا میں زنانے کی مردانے کی ہستی ہے — آئینہ زنانہ ہے تصویر ہے مردانہ
بوتل مے گلگوں کی ہے شیشۂ قارورہ — ہے اب تو چڑیل اسمیں جو گھر تھا پریخانہ
کوئی بھی شب وعدہ حسرت نہ رہی باقی — لٹیا نہ ڈبو دینا اے ہمت مردانہ
جسطرح کمینوں سے رونق ہو مکانونکی — آباد نکیلے ہے یا خانہ سے پاخانہ

دیکھو رہتے ہو کھلے بندوں بہت تم دیکھو — گرد گھما نہ کوئی دیکھ لے لٹو ہو جائے
اب طویلے میں نہیں آپ کے مانگن کوئی — آپ کے تھان کا ابتو مرا ٹٹو ہو جائے
آپ کے کھیت میں پڑتا ہے جو گھورا کوڑا — اسکی گرمی سے شکر قند نہ آلو ہو جائے
بے تلا پھر نہ رہے کوئی جگر کا ٹکڑا — ناوک ناز اگر دل میں ترازو ہو جائے

بیٹھا ہے بزم یار میں دشمن چچا کے ساتھ — بے شرم ہے جلبیس بڑے بے حیا کے ساتھ
دشمن کو کہنہ مشق سواری پہ ناز ہے — منگنی ہوئی ہے جب سے کسی تانگہ کے ساتھ
صحبت سے بھاری پانوں ہوا ہو جو آپ کا — شاید رہے ہیں آپ کسی فیل پا کے ساتھ
اک داغ دے کے چھوڑ دیا اسنے غیر کو — اب اور کیا سلوک کرے بے حیا کے ساتھ
ہے یہ بھی اک ہوا کہ زمانہ ہے آپ کا — دنیا بھی آپ کی ہے مگر ہے ہوا کے ساتھ

نکتہ چین سابق اودھ پنچ کے پرانے فائلوں میں اس تخلص سے ایک صاحب ملتے ہیں جن کا پتہ کچھ ہے تو یہی ہے اپنی نظم کی تقریب میں کچھ عبارت بھی درج کی ہے "مائی ڈیر مسٹر اودھ پنچ - گڈ مارننگ قرآن شریف جیسے آج کل کی نئی روشنی کے محاورہ میں الکران کہتے ہیں اسمیں یا کم سے کم سیل کے ترجمہ میں آپنے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ شعراء کی شان میں خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ یہ تو ہر میدان میں بھٹکتے اور سر مارتے پھرتے ہیں (الا نہم فی کل واد یہیمون) اتفاق سے مجھے ایک شاعر کی بیاض مل گئی جسکی نقل ان سطروں کے ساتھ ہے اس سے ظاہر ہوگا کہ یہ کلام معجز نظام کسقدر سچا ہے - میرے خیال میں ان خیالات پریشان سے زیادہ کوئی سے اس کی تصدیق نہیں کر سکتی -

غیرت نہیں اس سبب جئے جاتے ہیں | جو کام نہ کرنا تھا کئے جاتے ہیں
لازم تھا کہ دن رات وہ روتے بیٹھے | افسوس وہ آنسو ہی پئے جاتے ہیں

مزے سے مری یہ گھڑی چل رہی ہے | زباں وقت کی ہے پڑی چل رہی ہے
ہے کھٹ کھٹ میں اسکی کوئی ذکر مخفی | یہ تسبیح کوئی بڑی چل رہی ہے
لگاتی ہوئی جا کے غفلت میں ٹانکے | اگرچہ ہے سوئی جڑی چل رہی ہے
نہیں سیل سے ریت کی خوف اسکو | ہے کیا ڈر اگر ہے جھڑی چل رہی ہے

کریما بہ بخشائے پکا پلاؤ | جو تمسے نہ بڑے تو ہمکو بلاؤ
کریما بہ بخشائے پکے ہیں آم | نہ ہو پاس پیسا تو لو مجھسے دام
کریما بہ بخشائے پکے ہیں بیر | کھلانے میں ان کے کرو تم نہ دیر
کریما بہ بخشائے پکی کھجور | بلاتے ہیں کھانے میں ہمکو ضرور

کریما بہ بخشائے پکّے کباب
بلاتے ہیں کھانے کو تمکو نواب

کریما بہ بخشائے پکّے کٹھل
اسے کھا کے ہو جاؤ گے تم اٹھل

کریما بہ بخشائے پکی ہے دال
اسے کھا کے ہو جاؤ گے کنبہ پال

کریما بہ بخشائے پکی ہے نان
گئی واسطے جسکے مرغی کی جان

کریما بہ بخشائے ٹوٹی ہے ٹانگ
گزر کرتے ہیں در بدر بھیک مانگ

کریما بہ بخشائے ٹوٹے ہیں ہاتھ
نہ ہی سنگ بیوی نہ لڑکے ہیں ساتھ

کریما بہ بخشائے پھولی ہے آنکھ
ملے رکھو کے روٹی پہ آلو کی پھانک

کریما بہ بخشائے ٹوٹا ہے سر
کوئی آئے لے جلد میری خبر

کریما بہ بخشائے دھوتی پھٹی
مری عمر دنیا میں یونہی کٹی

نداریم غیر از تو فریاد رس
مزا آئے ٹپکے جو گنے کا رس

نگہدار ما را ز راہ خطا
کوئی مجھکو کھانے کا رستہ بتا

زبان تا بود در دہاں جائے گیر
کھلا یا کرو مجھکو روٹی پنیر

حبیب خدا اشرف انبیا
پڑا مجھکو چسکا بڑا آم کا

سوار جہان گیر یکراں براق
کھلا دو بھے مجھے ایک روشن طباق

چہل سال عمر عزیزت گزشت
بُری ہے تری ابتلک سرگزشت

ہمہ با ہوا و ہوس ساختی
ہمیشہ نظر تاکتی جھانکتی

مکن تکیہ بر عمر نا پائدار
پہن کوٹ پتلون پھینک اب ازار

دلا ہر کہ بنہاد خوان کرم
نہیں اسکی پاکٹ میں اُم دو دم

بوجھ تھا سر پہ جو اتار آیا
سر پہ احساں بڑا ہے نائی کا

اشرفی سے تو یوں نکاح ہوا
پر بندھا مہر ایک پائی کا
یہ سمجھا جب چھوٹتی نہیں سرفی
چھوڑ و پیچھا نہ تم رندائی کا
ترشروئی نہیں ترے منھ پر
ہے پیالہ بھرا کھٹائی کا

خدا کی مہربانی قبر میں میری سہیلی ہے
گھٹا چھائی ہے رحمت کی ہوا اٹھکیلی ہے
شعر لکھتا ہوں مگر ملتی نہیں کوڑی کوئی
بے روپیہ کی تھیلیاں آتی نہیں دوڑی کوئی
پائی تھی ایک میں نے جو کتیا چلی گئی
مشہور یہ غلط ہے کہ فضا چلی گئی

نوائی ــ بابا سلطان قلندر کے نام سے مشہور تھا۔ شاہ عباس ماضی کے زمانہ کا ایک ظریف نکتہ سنج شاعر ہے حیدری خانہ چار باغ کا تکیہ اس کی سپرد تھا اور اسی میں بسر اوقات کرتا تھا۔ ایک قطعہ بطریق مثنوی ظریفانہ رنگ میں دیکھا گیا جو اس کے نام سے مشہور ہے۔

عربے در میان مکہ و شام
کسب اسباب می نمود مدام
بہر تحصیل مال و کسب ہنر
از حضر رخت بست سوے سفر
مدتے سیر کرد و ہیچ نیافت
باز سوے مکان خویش شتافت
چندگہ راہ بادیہ بہ برید
تا بیک روزہ از وطن برسید
از کمر باز کرد انبانے
کہ درو بود یکمن دنانے
چوں بخوردن نشستن آن سرمرد
عربے در رسید بادیہ گرد
بدوی چوں شنید بوے طعام
پیش رفت و ستادہ کردہ سلام
داد او را جواب و گفت کہ
پیش من ایستادہ بہر چہ
گفت من چاکر سراے توام
دشت پیماے از براے توام

گفت از خیل من خبر داری — بدوی در جواب گفت آری

گفت چون ست احمد آں پسرم — کہ ز ہجرش کباب شد جگرم

گفت از فضل و رحمت یزداں — باغ حسن ست خرم و خنداں

گفت چون ست مادر احمد — گفت صد چوں برابر احمد

گفت چون ست قصر و ایوانم — گز غمش بر فلک شد افغانم

گفت آن قصر دلکش و ایواں — داغ رشکے ست بر دل کیواں

گفت چون است آں سگِ در من — کہ بود بہ ز شیر نر بہ من

گفت او خاک آستانہ تست — روز و شب پاسبان خانہ تست

گفت آن بارکش شتر چون است — گز غمش دامنم چو جیحون است

گفت باوے کہ فربہ است چناں — کہ مساوی است پشت با کوہاں

چوں عرب قصہ را شنید تمام — با دل جمع کرد میل طعام

خورد چنداں کہ سیر گشت از آں — بدوی را نہ داد و بست انباں

بدوی چوں خساست او دید — بر خود از درد جوع مے پیچید

ناگہاں دید کز کنارۂ دشت — آہوے در رسید و تند گزشت

بدوی چون بدید آہو را — از دل خستہ جست آہ او را

چوں عرب آہ دردناک شنود — گفت باوے کہ آہ بہر چہ بود

گفت ازیں بود کاں سگِ در تو — گر نمیگشت صدقۂ سر تو

آہوک را نمی گزاشت کنوں — کہ ازیں دشت جاں بری بیروں

گفت اے وائے آن سگ چوں مرد — گفت ازبسکہ خون اشتر خورد

گفت خون شتر کہ ریخت بگو — خاک بر فرق من کہ بیخت بگو

گفت کشتند اشتر سرہ ات — کہ دہند آب آتش ہمشیرہ ات

گفت اے واے زوجہ ام چون مرد — رخت ہستی حسیاں بخاک سپرد

گفت از لبسکہ کوفت سر بزمیں | از غم فوت احمدِ مسکیں
گفت اے وائے چوں گزشت احمد | گفت قصرش بہ سر فرود آمد
چوں عرب قصۂ فراق شنید | خاک بر سر فشاند و جامہ درید
بعد ازاں راہ میل خویش گرفت | بدوی ناں و گوشت پیش گرفت

نوح حافظ محمد نوح نام ہے نارہ ضلع الہ آباد مولد و مسکن ہے۔ آپ زمانہ موجودہ کے نہایت مشہور و معروف شعرا میں سے ہیں۔ داغ مرحوم کے شاگردوں میں نہایت معزز مانے جاتے ہیں۔ زبان نہایت عمدہ کہتے ہیں۔ محاورہ بندی میں اتنی کاوش کرتے ہیں کہ مشکل سے آپ کے یہاں کوئی شعر اس کے بغیر ملیگا۔ ملک کے مشہور مشہور مشاعروں میں آپ شرکت فرماتے رہتے ہیں نہایت خلیق اور زندہ دل ہیں۔ آپکے شاگردوں کی تعداد بھی بہت کافی ہے آپ کے نام کے ساتھ ناخدائے سخن بھی شامل کیا جاتا ہے ممکن ہے کہ کہیں سے یہ خطاب ملا ہو۔ حضرت داغ مرحوم کی جانشینی کے بھی آپ مدعی ہیں اور اگر زبان و سلاست کے اعتبار سے آپ کو داغ کا جانشین کہا جائے تو بجز اس کے کہ چند دوسرے زباندان اور کہنہ مشق شاگردان داغ کی حق تلفی ہو اور کوئی حرج نہیں ہے آپ کے دو دیوان شائع ہو چکے ہیں اور اطراف و اکناف میں پھیل چکے ہیں آپ تفنن طبع کے طور پر اکثر ظریفانہ اشعار بھی فرماتے رہتے ہیں۔ چنانچہ سفینۂ نوح کے آخر میں کچھ ظریفانہ کلام دیا گیا ہے جس کا انتخاب لکھتا ہوں راقم الحروف کو بھی ایک دو مرتبہ آپ سے ملنے کا اتفاق ہوا اور آپ کی خوشخوئی و نیک مزاجی کا معترف ہو گیا۔ آپ کا ظریفانہ کلام اکبر کے اتباع میں زیادہ ہے۔ اور اکثر جگہ اس اتباع کو نہایت حسن و خوبی سے نباہا ہے نمونہ کلام

یہ ہے۔

یہ جو خواہش ہے کہ ہم صاحب بنیں — بولنا ہر شخص سے کم چاہیے
میز کرسی لمپ سگرٹ کیک توس — گھر میں تصویروں کا البم چاہیے
رنگ گورا اور قامت بھی بلند — جسم بھی کچھ بھاری بھرکم چاہیے
کیسی غفلت اور کیسی کاہلی — فطرتاً تھوڑا سا دم خم چاہیے
اور اگر دفتر سے ہو کچھ واسطا — ایک گھوڑا ایک ٹم ٹم چاہیے

آج ساقی تجھ پہ کیا یہ رحمت یزداں ہوئی — پہلے خود لڑکی تھی اب وہ لڑکیوں کی ماں ہوئی
مغبچوں کو دائیوں کی وضع داری چاہیے — بادہ خواری کی جگہ اب شیر خواری چاہیے
مے کدے میں سونٹھ گڑ کا ہر طرف سامان ہے — دودھ دانی بن گئے ساغر خدا کی شان ہے

خم کی صورت جام بھی چلنے سے عاری ہو گیا — پیٹ اس کا اور اس کا پانوں بھاری ہو گیا

لوگ کہتے ہیں فلاں صاحب کی اک لڑکی ہوئی — ہم یہ کہتے ہیں فلاں صاحب کی اک ڈگری ہوئی

اے بی جو نہ کہتے بنے بی بی کہیے — دائن جو نہ کہتے بنے ڈھکلی کہیے
کم بھی ہو کوئی حرف تو کچھ ہرج نہیں — نکٹائی نہ کہتے بنے نکٹی کہیے

حضرت شیخ ہیں بہت محتاج — خوش ہے پیر مغاں بہت گھر سے
غرض اعلیٰ سے بڑھ گیا ادنیٰ — عطر شرما گیا لونڈر سے

یہی اچھے بُرے ہر حکم انجام دیتا ہے
اگر کوئی نہیں ہوتا تو کتا کام دیتا ہے

کہتا ہے کون ذکر رقیب و حبیب کر
جورو کی مار کھا کے سعادت نصیب کر

جورو نحیف اس کو ضرورت دوا کی ہے
شوہر ضعیف آرزو اسکو طلا کی ہے
مائل مزاج کیا ہو کسی اور چیز پر
مرغی کڑک ہی مرغ ابھی ہی کریز پر

اے مری طبع رسا وقت مبارکباد ہے
عمر میں اپنے خسر سے بھی سوا داماد ہے
عقد پورہے کا ہوا اک چھوکری سے شام کو
مل گئی اچھی پلوری مرغ بے ہنگام کو

آج دستار فضیلت بندھ گئی
سر نرالے طور سے ڈھانکا گیا

کیونکر نبھے گی شیخ سے لیڈی کی رسم وراہ
موٹا سلا ہے وہ بانس یہ چھوٹی سی کین ہے

الہ آباد کے ضلع میں دو پرگنے ہیں ایک کا نام کڑا ہے ایک کا نام کراری ان دونوں پرگنے والوں میں لڑائی ہوئی حضرت نوح نے یہ شعر لکھکر بھیجے

ہر آن دوستی ہے ہر وقت فوجداری
پتھر ہو یا ہو لوہا اپنی جگہ ہے بھاری
کمیا دوستی بڑھائیں آپس کیا بنائیں
ان کا بہت کڑا ہے انکی بہت کراری

کیا لطف میل جول میں کیا تال میل میں
بندوق کی صفت نہیں ہوتی غلیل میں
کرتے ہیں غیر جنس میں جو اپنی شادیاں
وہ عطر کو ملاتے ہیں مٹی کے تیل میں

سنا ہے اب انھیں یہ مشورہ احباب دیتے ہیں ۔۔۔ برائی بدشگونی کے لیے کٹوا دو ناک اپنی

بڑے دن میں یہ کہکر لیڈی یو کے ساتھ سوتے ہیں ۔۔۔ جو تم ہواگی پوتی ہو تو ہم آدم کے پوتے ہیں
تصور جن مسلمانوں کو ہے لندن کی مسجد کا ۔۔۔ عرب کے تخم کو یورپ کے بنگلے میں وہ بوتے ہیں

اس مس شیریں دہن کی گفتگو ۔۔۔ مجھکو انگریزی مٹھائی ہو گئی
ہے نئی تعلیم کا یہ انقلاب ۔۔۔ اپنی بی بی تک پرائی ہو گئی

تھی جوانی میں جو میڈم نان پاؤ ۔۔۔ وہ ضعیفی میں ملائی ہو گئی

نوری - ملا حسین شاہ نام تھا۔ مشہد کے رہنے والے تھے۔ غزالی مشہدی کے ہمسن اور ہم بزم تھے - اکثر مشاعروں اور مطارحوں کی صحبت گرم رہتی تھی۔ نوری نہایت ظریف الطبع اور بذلہ سنج واقع ہوئے تھے - مگر اتفاق سے نہایت بدصورت تھے اسکی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اُن کے دانت اسقدر بڑے تھے کہ دونوں ہونٹوں سے گزر کر ٹھوڑی کے قریب آ گئے تھے اور اُن کی صورت کو عجیب و غریب بنا دیا تھا۔ اسی وجہ سے نوری وندانی کے نام سے مشہور تھے۔ صادق علی خاں اختر نے اپنے تذکرہ عالمتاب میں دندانی کی یہ توجیہ کی ہے کہ دنداں توابع خراسان میں ایک قصبہ ہے - مگر یہ صرف توجیہ ہے نوری کا کلام ضایع ہو گیا صرف یہ دو شعر تذکروں میں ملتے ہیں۔

وصیتے است کہ بعد از وفات من یاراں ۔۔۔ کنند لوح مزارم ز مہر دو دندانم
سخن چگونہ کنم پیش خلق کیں دو نیم ۔۔۔ بیکدگر نرسد گر بلب رسد جانم

پتہ پوچھتے پوچھتے مرزا غالب کے مکان پر پہونچے مرزا غالب نہایت خلوص اور محبت سے ملے - اور اپنا کلام سُنایا - اور کہا کہ جب تمکو اس مزخرفات کا اشتیاق اتنی دور سے یہاں تک کھینچ لایا - تو میں یہ کیونکر مان سکتا ہوں کہ تم خود کچھ نہ کہتے ہوگے سُناؤ ضرور سُناؤ - انھوں نے بھی انکار مناسب نہ سمجھا - اور وہی کلام سُنایا - مرزا نے تخلص سُنا - تو پہلے کچھ بزرگانہ انداز سے ہنسے پھر کہا کہ کیا تخلص رکھا ہے واہی - تباہی - بدلو - اس تخلص کو بدلو - مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت میری عقل کی رسائی تو یہیں تک تھی اب آپ ہی کچھ تجویز کیجیئے - مرزا تو ایک ظرافت مجسم اور ذکاوت کا پتلا تھے - ادائے تکلم اور انداز گفتگو سے تاڑ گئے کہ بدلنے کے لئے تو یہ میری خاطر سے بدل ہی دیں گے - مگر شاید دل سے نہ بدلیں - دوسرے یہ سوچا کہ ان کا کلام بھی اسی واہی تخلص سے مشہور ہوچکا ہوگا - لہذا اسکو اسطرح بدلنا چاہیئے کہ ہماری بات بھی رہجائے ان کو زحمت بھی نہ ہو ناگوار بھی نہ گزرے - چنانچہ کہنے لگے کہ اب واحی تخلص رکھو - حقیقت یہ ہے کہ اب تخلص کا مرتبہ زمین سے آسمان پر پہونچ گیا اتفاق سے کچھ عرصہ تک مولوی صاحب دہلی میں مقیم رہے اور مرزا کے یہاں برابر روزانہ آیا جایا کرتے تھے - اُنھیں دنوں میں مرزا صاحب نے یہ غزل کہی تھی

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھسا کہیں جسے

مرزا صاحب نے یہ غزل ان کو بھی سنائی - سنا چکے تو ان سے کہا کہ اپنے رنگ میں تم بھی اس زمین میں غزل لکھو - انھوں نے پہلے تو انکار کیا - کہ استاد کی غزل پر غزل کہنا سوء ادب میں داخل ہے - مگر مرزا بھلا ایسے عذروں کے ماننے والے کب تھے وہاں تو ہنسی سے غرض تھی کسی طرح سے ہو - گھڑی بھر کے لئے دل بہل جانے سے مطلب تھا - کچھ ہو کہو ضرور کہو - مولانا نے بھی الامر فوق الادب کو ملحوظ رکھکر امتثال امر کے لئے پانچ سات شعر کی غزل کہی جسمیں ظرافت کے ساتھ پھکڑ اور فحش بھی شامل تھا

حرف واو

واحی۔ مولوی عبدالاحد نام تھا یوسف پور تحصیل محمد آباد ضلع غازی پور کے رہنے والے تھے۔ آخر عمر میں اپنی اہلیہ کے تعلقات ورشتہ داری کی وجہ سے خود بھی دہر مرپور تحصیل زمنیہ میں جارہے تھے علمی قابلیت بہت کافی تھی فاضلانہ استعداد رکھتے تھے۔ شعروشاعری کا حداثت سن ہی سے شوق تھا۔ مگر اتفاق سے طبیعت کو ظرافت سے لگاؤ تھا سواہی تخلص کرتے تھے اور اسی رنگ میں شعر کہتے تھے۔ کچھ عرصہ تک یہ شغلہ اسی تخلص کے ساتھ جاری رہا۔ اتفاق وقت سے کسی ضرورت خاص کی وجہ سے اسی ابتدائی شاعری کے زمانہ میں آپ کو دہلی جانے کی ضرورت پیش آئی اور طویل سفر کے بعد وہاں گئے دلی کی رونق اور آب وتاب اس زمانہ میں جو کچھ تھی اُسکا بیان کرنا ایک امر تحصیل حاصل ہے۔ مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ اس زمانہ میں دلی کے مشہور ومعروف شعراء غالب مومن ذوق شیفتہ صہبائی وغیرہ زندہ تھے دنیائے ادب میں اُن کے فضل وکمال کا ڈنکا بج رہا تھا۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی ادبی ذوق رکھنے والا آدمی دہاں جائے۔ جامع مسجد۔ ہمایوں کا مقبرہ۔ قطب صاحب کی لاٹ دیکھے اور ان بزرگوں کی زیارت کو نہ جائے بلکہ اکثر شوقین پہلے انھیں لوگوں سے ملنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ واہی جب دلی گئے تو سب سے پہلے اپنے ضروری کاموں سے فراغت کی اور اس کے بعد

اس کے بعد معافی مانگ کر سنانے کی اجازت لی - مرزا نے اجازت دی - انھوں نے غزل سنائی - مرزا نے داد دی اور فوراً ایک شعر خود کہکر کہا کہ میاں واحی یہ شعر بھی تو تمھارا ہی ہے واحی بھی نکتہ سنج اور ادا فہم تھے سمجھ گئے کہ یہ مرزا صاحب کا عطیہ ہے سلام کیا اور شعر اپنی غزل میں شامل کرلیا - شعر یہ تھا -

عیاشی سیکھنے کے لیے تجھکو چاہیے ۔۔۔ رنڈی وہ قحبہ پیر کہ دنیا کہیں جسے

واحی مرحوم نہایت شوخ طبع ظریف قابل اور قادر الکلام شخص تھے - آخر عمر میں مولانا شاہ عبد العلیم صاحب آسی غازی پوری سے صحبتیں رہتی تھیں - اسی وجہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شاہ صاحب سے اصلاح بھی لیتے تھے - مگر یہ غلط ہے انھوں نے ہمیشہ اپنے ذہن رسا کو اپنا استاد اور رہنما سمجھا - اور کسی کے سامنے کبھی زانوے تلمذ تہ نہیں کیا - ایسا البتہ ہوتا رہا کہ احباب میں سے جس کسی نے کوئی ظریفانہ شعر کہا وہ انھیں کی غزل میں شامل ہوگیا - واحی نے کافی عمر پاکر ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ء میں بمقام وہر مر پور انتقال کیا - آخر عمر تک اُسی وضعداری کے ساتھ زندگی بسر کی جیسی کہ جوانی میں کی تھی - نمونہ کلام مولانا سید سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھپور سے جو کچھ دستیاب ہوا وہ حاضر کرتا ہوں -

میرا وہی رقیب ہے بنوا کہیں جسے ۔۔۔ ایسا ہی روسیہ ہے کہ کوا کہیں جسے

آے طوفان جو وہ بت بہ تسلسل موتے ۔۔۔ ساری دنیا ہوتہ آب اگر کل موتے

واحی کے گور سے یہ صدا صاف آتی ہے ۔۔۔ دہن تنگ دہنا کا تنگ سہری کٹ ٹاک دہن آئی

بل دکھائیں جو کہیں آپ کے گیسوے دراز ۔۔۔ سانپ دہشت سے لگے خوف سے سنبل موتے

غسل کے بعد یہ قطرہ دل کا تسلسل کیسا ۔۔۔ کیوں نہ حیرت ہو مجھے جب تبھی کا کل موتے

ہو یہ معلوم ٹپکتی ہے قرع انبیق سے مے ۔۔۔ بادہ پی پی کے جو واحی بہ تامل موتے

قبر واحی کو سمجھتا ہے وہ اک ٹیلہ ہے ۔۔۔ کیا قیامت ہے کہ اس پر بہ تجاہل موتے

گدُ نا گدا رہی ہے چماری جو ناک پر
تحریر ہو رہی ہے یہ تقدیر ناک میں

مجھکو ہوا گمان کہ مسجد میں بھوت ہے
ملاں نے کی شروع جو تکبیر ناک میں

واحی طرح ملی تھی مجھے آج بے طرح
دم آگیا مرا دم تسطیر ناک میں

واقف آپ کا نام سلطان احمد ہے۔ بسواں ضلع سیتاپور میں مکان ہے بارہ تیرہ برس سے شعر گوئی کا شوق ہے۔ نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں اور ہمیشہ دوسروں کے اشعار کی نہایت فراخدلی سے داد دیتے ہیں۔ جناب ریاض سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی اقتضائے طبیعت سے ظریفانہ شعر بھی فرما لیتے ہیں۔ مگر بہت کم۔ شطرنج بہت عمدہ کھیلتے ہیں۔ ملازمت سے طبیعت کو نفرت اور تجارت کا شوق ہے۔ اسیوجہ سے آپ عرصہ سے بیکار خانہ نشین ہیں۔ ایک ڈیڑھ سال سے کیمیاوی ترکیبوں کے ساتھ آپ جدید دھات جو سونے کے مماثل ہے تیار کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ ابتک پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر بھی اپنی کوششوں میں آپ بہت کچھ کامیاب ہو گئے ہیں۔ راقم سے بھی عرصہ دس بارہ سال سے بے تعلقانہ ملاقات ہے اور جب آپ لکھنؤ تشریف لاتے ہیں تو اکثر ملاقات ہوتی ہے۔ نہایت نیک مزاج متحمل ظریف الطبع۔ خوش تقریر۔ اور علم مجلس کے ماہر ہیں۔ میں نے ترتیب تذکرہ کا ذکر کیا تو آپنے اپنے یہ دو تین شعر عنایت فرمائے تھے۔ وعدہ تھا کہ اور بھی کلام عنایت فرمائیں گے۔ مگر کچھ آپ کو یاد نہ رہا نہ کچھ مجھے اور یہ وقت پر یاد آگیا۔ واقف صاحب کی عمر اب تخمیناً ۴۵ - ۴۶ برس کی ہو گی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

کرمنل کوٹ سے بہتر کوئی ٹھیہ ہی نہیں

عیش کرتے ہیں زمانہ میں یہ رنڈی زادے
مستقل ورڈ میں جنکے لئے قادر ہی نہیں

پیش رہتے ہیں ہر اک جا پہ قانون سالک
ان ٹری بی کو بھی ملتا کوئی شوہر ہی نہیں

علم کی ہو گئی ہے وہ بھرمار — ہیں برابر شریف اور چمار
بی اے کرتے ہیں مُرمُرے کی دکان — ایم اے بیچیں چاروں میں اچار

صحبت میں اپنی ایسے بزرگ آ پائے ہیں — ہنو اس بیچیں گے خود نہ ہیں کیسے نیک ہیں

واہ ایک مجہول الاسم تخلص ہے جن کے یہ دو تین شعر میرے پیش نظر ہیں

ہمارا خط لئے جاتا تھا اور صید ہی گھر پہنچا — کبوتر کیا تھا میرا نامہ بر الو کا پٹھا تھا
ذرا میں بھی تو سن لوں کیوں مجھے محفل سے اٹھوایا — نہ لنجا تھا۔ نہ گنجا تھا۔ نہ کانا تھا نہ نکٹا تھا
نہایت شان سے میخانہ میں آیا کل اک واعظ — بغل میں بوریا تھا کان میں مسواک تھی ہاتھوں میں بدھنا تھا
خدا معلوم کیوں بدنام کر رکھا ہے دنیا نے — نہ لیلیٰ ان کی نانی تھی نہ مجنوں میرا دادا تھا

واہ ۔ وحید الحسن نام ہے۔ ایک زمانہ میں کیننگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پاتے تھے زیادہ حالات معلوم نہیں ایک غزل کے چند اشعار مل سکے۔

کبھی دیکھی جو صورت صبح کو اس آفت جاں کی — ملا کھانا نہ پانی ہم نے دن بھر خاک ہی پھانکی
ہمارے یار کی باد صبا اک مہترانی ہے — صفائی روز کر جاتی ہے آ کر کوئے جاناں کی
دکھائی دور سے ارماں کی گٹھری بڑھ کے مجنوں نے — کبھی لیلیٰ سفر میں پردۂ محمل سے گر جھانکی
شباہت چھوٹی آنکھیں نہیں تیری چھوڑ ٹلیسی باچھیں ہیں — ہوئی ہے گرم بازاری اسی باعث سے ٹیاں کی
خدارا مجھ سے سمجھا کے لیلا گھر میں تو اس کو — بری حالت ہوئی ہے ہجر میں مجنوں کی اماں کی
منڈا کر داڑھی مونچھیں پاٹ کرتے ہیں دلبر کا — ادھر تصویر بنجاتا ہے کالج کوئے جاناں کی
وہ تتلا کر سبھی کچھ انھوں نے بات کی مجھ سے — خدا رکھے زباں اب کھل رہی ہے میرے ٹیاں کی
لڑا پھرتا ہے دن بھر واہ کی ہر جان آفت ہیں — کریں کیا یار کو چھٹپن سے عادت ہے گھڑیاں کی

وجود۔ سید محمد علی نام تھا۔ بنارس کے رہنے والے تھے۔ ہزل گوئی کے مشاق تھے۔ شاگردی کا سلسلہ صاحبقراں تک پہونچتا ہے۔ صرف ایک شعر اُس کا گلستان سخن میں ملتا ہے۔

رکزنے جرف میں حبب جھکایا   بتوں کی بندگی گویا ادا کی

وجاہت۔ آپ کا نام وجاہت حسین ہے۔ جھنجانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے اور ملک کے مشہور ادیبوں میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے ۱۸۹۲ء سے شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ اور ابتداءً وہی قدیم روش اختیار کی۔ مگر امتداد زمانہ کے ساتھ جیسے جیسے زمانہ کا رنگ بدلتا گیا۔ آپ کی طبیعت قدیم طرز تغزل سے متنفر ہو کر جدید رنگ کی طرف کھنچتی آئی اور سمجھ لیا کہ طرز قدیم کی شاعری لیاقت سے کم نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بات نفس الامر اور واقعہ کے سراسر خلاف ہے۔ مگر پھر بھی آپ کا عقیدہ وہی رہا۔ ۱۹۰۰ء کے بعد قومی اخلاقی اور ظریفانہ رنگ کی طرف توجہ فرمائی۔ اور اسمیں ایک حد تک کامیابی حاصل کر لی۔ چنانچہ ۱۹۱۲ء میں آپ کا مجموعۂ کلام شائع ہو گیا۔ وجاہت صاحب ایک قابل ذہین اور طباع شخص ہیں زبان اردو سے آپ کو خاص محبت اور خلوص ہے۔ چنانچہ آپ نے زبان کے بارہ میں ایک نہایت مبارک اور مستحسن کوشش کی اور ایک رسالہ لکھا جسمیں لکھنؤ اور دہلی کی زبانوں کا فرق دکھایا تھا۔ گو بہ مقتضاے بشریت اسمیں بعض بعض اغلاط باقی تھے۔ مگر پھر بھی مستقلاً اور مجموعی حیثیت سے وہ ایک بہترین تصنیف ہے آپ نے مختلف اخباروں میں ایڈیٹری بھی کی۔ چنانچہ مدت تک آپ زمیندار اخبار کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں بہ حیثیت اسسٹنٹ ایڈیٹر کے کام کرتے رہے۔ اسوقت نہ معلوم کہاں ہیں۔ مشاغل علمی سے آپ کو نہایت

انس اور دلچسپی ہے - میں آپ کی قدیم غزلوں سے بھی ظریفانہ شعر چنکر پیش کرتا ہوں اور اُن اشعار کا بھی نمونہ دکھاتا ہوں جو آپ نے ظرافت کے نام سے نظم وجاہت میں لکھے ہیں - نمونہ کلام

واعظ اور سر سیّد

تضمین بر نظم اکبر مرحوم الہ آبادی

شہرہ جب اُن کے وعظ کا لوگو نہیں ہو چلا
پھر تو وہ خود کود لمیں سمجھنے لگے ذرا
اب کیا تھا پڑھتے پڑھتے بڑھا ایسا حوصلا
سید سے جا کے حضرت واعظ نے یہ کہا

چپ جاہے جا بجا ترے حال تباہ کا

اے مرد آدمی یہ تجھے ہو گیا ہے کیا
شاید ترا دماغ ٹھکانے نہیں رہا
قسمت کا تو مقر ہے نہ قائل نصیب کا
سمجھا ہے تو نے نیچر و تدبیر کو خدا

دل میں خیال بھی نہ رہا لا الٰہ کا

کہتا ہے تو زبان سے دن کو تو قوم قوم
سوتا ہے خوب رات کو ہو ہو کے مست نوم
یاد خدا میں کوئی گزرتا نہیں ہے یوم
ہے تجھ سے ترک حج و زکوٰۃ و صلوٰۃ و صوم

کچھ ڈر نہیں جناب رسالت پناہ کا

تیری یہ رسم کیا ہے یہ تیرا ہے کیا رواج
سارے جہان سے تو نے نکالا نیا رواج
دنیا و دین کا تیرے ہے بالکل جدا رواج
اُسنے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج

راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا

درس و حدیث و فقہ میں کی زندگی بسر
کھوئی ہے ایک عمر بخاری میں بیٹھ کر
ہر سو ہوئی ہے روشنی اب تو ہے جلوہ گر
افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بیخبر

دیکھا نہیں ہے رنگ جو شام و پگاہ کا

حجرۂ نمیں مسجد دل میں رہے آپ عمر بھر
یہ زہد خشک آب وضو سے ہوا نہ تر

سب حال ہو عیاں جو سمندر سے ہو گزر
یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر

گزرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا

یورپ کی لیڈیوں سے ہو صورت ملاپ کی
چینی کی مورتیں ہیں عجب ٹیپ ٹاپ کی

ہوٹل میں جا ئیں سیر کریں کافی شاپ کی
دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی

کم سن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا

خوش وضع خوش کلام خوش انداز مہ جبیں
میں چند لفظ بھول گیا ہوں نہیں نہیں

دلدار دلستان و دلارام و دلنشیں
نوخیز جامہ زیب گل اندام نازنیں

عارض پہ جن کے بار ہو دامن نگاہ کا

پڑ جائے پھر تو سایہ سپریوں کا واسطا
اندر کے بھی اکھاڑے میں آئے نہ یہ مزا

اس بے تکلفی پہ بھی اے مرد پارسا
رک گئے اگر تو ہنس کے کہے ایک مہ لقا

دل مولوی یہ بات نہیں ہے گناہ کا

دنیا میں اس سے کوئی بھی اچھا نہیں ہے کام
افسوس ہے کہ اسکو سمجھتے ہو تم حرام

پی لو ہمارے ہاتھ سے وہسکی کا ایک جام
اسوقت قبلہ آپ کو جھک کر کروں سلام

پھر نام بھی حضور جو لیں قبلہ گاہ کا

ہم کیا ہیں

تابع احکام قرآنی ہوں میں
پیرو دین مسلمانی ہوں میں

دیکھنا دھوکا نہ کھا جانا کوئی
صبح کاذب کی درخشانی ہوں میں

معتکف حجرے میں رہتا ہوں مدام | معتکف یا قطب ربانی ہوں میں
آگیا ننانوے کے پھیر میں | حافظ اسمائے یزدانی ہوں میں
نفس امارہ کا دشمن بن گیا | یہ جو روسی ہے تو جاپانی ہوں میں
کیوں نہ دردِ قوم کا دورہ اُٹھے | غمگسار نوع انسانی ہوں میں
ہوشیار اے اہل دنیا ہوشیار | افتراق و مکر کا بانی ہوں میں
یہ مری ریش مقدس واہ واہ | خضر ہوں الیاس کا ثانی ہوں میں
کام آجاتی ہے اس ٹٹی کی آڑ | اک مجسم شکل شیطانی ہوں میں
اے وجاہت ہے یہ میرا اصل آل | سچ یہ ہے ننگِ مسلمانی ہوں میں

ہندوستانی اور یورشین مس کی نوک جھوک

کہا جو لیا نے یہ بدر النساء سے | کہ موجودہ تہذیب سے تم ہو عاری
نیا کوئی انداز تم میں نہیں ہے | پرانی ہیں ساری ادائیں تمہاری
سمجھتی ہو زیور کو زینت کا ساماں | خوشی سے اٹھاتی ہو یہ بوجھ بھاری
بناوٹ سے تم چاہتی ہو چمکنا | لگاتی ہو کپڑوں پہ گوٹا کناری
وہی کرتی انگیا وہی بند محرم | چلی جاتی ہے حسن کی پردہ داری
لڑائی میں بڑھکر ہو ہتھیار یوں ہے | چلاتی ہو بیدڈھب چھری اور کٹاری
نہیں تم میں مغرب کا کوئی قرینا | نئی روشنی میں چلن ہے گنواری
ہو پردہ کے زندان میں تم مقید | تمہارا نہیں کوئی فعل اختیاری
مصیبت کے دن کاٹتی ہو جہاں میں | یہ جینا ہے یا نزع کی دم شماری
تمہیں جیتے جی مار رکھا ہے اُسنے | پڑے بھاڑ چولھے میں یہ وضعداری
کہا سن کے بی بی نے اے میم صاحب | بس اب چپ ہو آئی اب میری باری

نئی روشنی کے نئے گیت گائے — بہت تم نے بڑھ چڑھ کے شیخی بگھاری
تماشا تو دیکھو کہ پردہ اٹھا کر — بنی پھرتی ہے میم میری بچاری
نظر پڑتی ہے غیر لوگوں کی ہر دم — تمہارا یہ چہرہ ہے یا چاند ماری
کیا کرتی ہو غیر مردوں سے باتیں — پھٹکتی نہیں پاس تک شرمساری
ہوئی ڈولی اور بند گاڑی سے نفرت — پسند آئی بائیسکل کی سواری
نہ اتراؤ میموں کا سایہ پہنکر — کہ صورت ہے کالی کلوٹی تمہاری
چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھولا — نہ کام آئی کوے کی کچھ ہوشیاری
خطابوں کی شیدا ہوئیں عورتیں بھی — بیاہی مسز اور مس ہے کنواری
ترقی کرو علم شائستگی میں — نہ چھوڑو مگر اپنی تم وضعداری
اسے کہتے ہیں لوگ تقلید بیجا — بناوٹ ہے یہ سادگی بھی تمہاری
کوئی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا — حکومت کا میموں کی سکہ ہے جاری
ہے زیبا انھیں کے لئے بے حجابی — ہے شایاں ہمارے لئے پردہ داری
نہیں ملک میں رعب داب اپنا کچھ بھی — حکومت سے پھبتی ہیں باتیں یہ ساری
مبارک انھیں مغربی پورٹ منٹو — ہمیں ایشیا کی پرانی پٹاری

جھکا ضعیفی میں قد شیخ کا — کبھی تیر تھا اب کماں ہو گیا
گرے اسمیں عشاق کے دل بہت — ذقن ایک خونی کنواں ہو گیا
میر ساماں ہیں میکدے کے شیخ — اُن کے گھر کی دکان ہے گویا
خوبرو میرے دل میں رہتے ہیں — یہ حسینوں کی کان ہے گویا

فلک کیوں زمیں کا سہارا نہ لے — یہ بڈھا بہت ناتواں ہو گیا

زال دنیا بھی ہے بڑی چنچل ہے نیا ڈھنگ اس پرانی کا
آسماں بھی ہے پیر نابالغ وقت دیکھا نہیں جوانی کا
ناز سے ڈال لو بل ابرو میں تیغ کس دو ذرا کمانی کا
قیس دیوانگی کی حالت میں راجہ تھا بن کی راجدہانی کا
سوت کرتی ہے چاروں خانے چیت ہے رواں داؤ پہلوانی کا

مقتل میں غیر آنہ سکا ڈر کے ہٹ گیا بزدل نہیں تھا بزم سمجھا کہ یوں صفا کٹ گیا
حاضر ہوا نہ حشر میں اچھا نبٹ گیا اس غیر حاضری میں مرا نام کٹ گیا
نام رقیب میں نے لفافہ پہ لکھدیا کچھ غم نہیں ہے خط جو انھیں سے الٹ گیا
واعظ کی گت بنائی تھی رندوں نے بیطرح ق یہ جانتے تھے اسکا بس اب یاپ کٹ گیا
لیکن وہ دم چرائے پڑا تھا زمین پر رندوں نے پشت پھیری تو اٹھکر جھپٹ گیا

دل ہے برسات میں بھی پژمردہ سوکھ کر یہ شجر ہرا نہ ہوا
ہم نے کتنی ہی التجائیں کیں وہ مگر ٹس سے مس ذرا نہ ہوا

اب ٹھکانا ہے یہیں عشق کے دکھیاروں کا کوچۂ یار شفاخانہ ہے بیماروں کا
پاس شیریں تھا جو فرہاد نے کاٹا کہسار ورنہ یہ کام ہے مزدوروں کا معماروں کا

قتل کر ڈالیں جو وہ مجھکو تو میرے خون سے توسن عمر رواں بنجائے دلدل کا جواب
ہے خم محراب ابروے صنم کیا خوشنما بحر عالم میں کہیں دیکھا نہ اس پل کا جواب
بعد مردن بھی رہیگی انکی باہم لاگ ڈانٹ برہمن کے پھول ہوں گے شیخ کے قل کا جواب

جنت سے آئے حضرت آدم زمین پر — نکلی ہوئی تھی پہلے ہی انکے وطن کی شاخ
دلچسپ ہے یہ پھولوں کی چھڑیوں سے کھیلنا — دولہا کے منہ پہ لگتی ہے آکر دلہن کی شاخ

رند چلو کہ شیخ کی پگڑی بکے گی آج — نیلام ہوگا پیر مغاں کی دکان پر

مرے دل کی پریشانی ابھی کچھ ناکمل ہے — ذرا تو گیسوؤں میں اور ابھی لمبان پیدا کر
حمائل ڈال رکھی ہے گلے میں اس سے کیا حاصل — اٹھا لے ہاتھ میں جسکو تو وہ قرآن پیدا کر
مرے گھر اب تو دشمن بھی چلے آتے ہیں بے کھٹکے — جو روکے دور سے غیروں کو وہ دربان پیدا کر

مرگیا میں تو ہنس کے وہ بولے — دم چرانے کے ہیں ہزار طریق

نہایت بے تکلف ہے مے آشناؤں کی صحبت بھی — ادھر دو چار لیٹے ہیں ادھر دو چار بیٹھے ہیں
ذرا میخانے میں دیکھو جناب شیخ کی سج دھج — کہ باندھے پر تکلف لٹ پٹی دستار بیٹھے ہیں
عدو کی موت نے مخبوط کر دیا بالکل — وہ اسکی قبر پر دھونی رمائے بیٹھے ہیں
کہا یہ شیخ نے زاہد سے سُن کے ہجر کا ذکر — اسی پہ ہم بھی سر اپنا منڈلے بیٹھے ہیں

وہ میرے پاس آتے نہیں بھولکر کبھی — میں اُن کے پاس جاؤں تو کہتے ہیں دور ہو
کر ڈالو آج عشق کے مجرم کا فیصلہ — تم حسن کی کچہری کے صدر الصدر ہو
سنتے ہیں جو واعظ سے کبھی مے کی مذمت — سب رند یہ کہتے ہیں کہ سمجھیں گے خدا کو

مرغ کے ہمراہ دیتا ہے مؤذن بھی اذاں — آدمی کوئی اگر ہو جانور اتنا تو ہو

جواس اُن کے جاتے رہے صبح وصل | مرے گھر نئی پھلپڑی رہ گئی
جلے دل جگر جان جلنے کو ہے | یہ اب آخری پھلجھڑی رہ گئی
نہ ٹھہرا کوئی عشق کے دشت میں | وجاہت ہی کی جھوپڑی رہ گئی

دل رہا بچ کر نگاہ ناز سے | لے گیا بازی کبوتر باز سے

جان دی ہے ہمنے کوے دلربا کے سامنے | تعزیہ ٹھنڈا ہوا ہے کربلا کے سامنے

وحید کوئی صاحب بدایوں کے رہنے والے اور موجودہ شعراء میں سے ہیں۔ صرف ظرافت کی طرف میلان طبع ہے۔ یہ دو شعر جناب قمر بدایونی نے سنائے تھے۔ جو درج کرتا ہوں۔

ہوئی تکرار مجھسے اور اُن سے رات میلے میں | میں کہتا تھا ہمیں مل لو وہ کہتے تھے اکیلے میں
کہا میں نے کہ اک بوسہ کف پا کا مجھے دیدو | لگا کر لات وہ کہنے لگا سالا کف پا کا

وصل۔ مرزا محمد اسحاق نام تھا حاجی ابراہیم خلف آغا قدیر اصفہانی کے بیٹے اور شرف الدین مائل لکھنوی کے شاگرد تھے۔ شعراء متقدمین کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخ وفات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوئی۔ بیشتر و اکثر حصۂ عمر مرثیہ کہنے میں گزارتے تھے۔ مگر کبھی کبھی اقتضاے طبیعت اور تفنن کے طور پر شعر مذاقیہ بھی کہتے تھے۔ دو تین شعر مل سکے۔

لیا ٹک جو آغوش میں میں ا تو بولا | ابے چھوڑ کب تک مسلتا رہے گا
ہاتھ میں ہاتھ لے غیروں کا پڑے پھرتے ہو | ہم جو دامن چھوئیں تو آپ جھجکتے جاویں

باوا آدم خلد سے نکلے تھے ہم گھر سے تیرے
قصہ کوتہ باپ کا پیر و پسر آشنا تو ہو

نقد جاں تک لوٹ لیتے ہیں حسیں
عشق میں چنگیز خانی اور ہے

ملک عدم آباد میں ہے سخت حکومت
پرچہ کوئی نکلے تو وہاں سے خبر آئے

جان ہی بس دم کی ہچکی جاں نثار
ساتھ راجہ کے یہ رانی جائیگی

ضرور اس کے رخ صاف پر نقاب ہے
جو قیمتی ہے وہ جزدان میں کتاب ہے

جنت میں بسر ہو گی نہ حوروں سے ہماری
سنتے ہیں وہاں کا تو رواج اور ہی کچھ ہے

نظام ملک جفا میں جو ابتری ہو گی
رقیب کو وہ مدار المہام کریں گے

سوڈا واٹر ہو کہ انگور وغیرہ کا نچوڑ
پیاس لگتی ہے تو پی لیتے ہیں ہم ہر پانی

سانپ زلفوں کے پال رکھے ہیں
وہ حسیں کیا ہے اک سپیرا ہے
مل گیا نامہ بر ہمیں سستا
ایک کوڑی کا ایک پھیرا ہے
پھاڑ کھائیگا قیس کو اک دن
سگ لیلیٰ کا نام شیرا ہے
دیکھی رفتار ابلق ایام
چابق چو بند یہ بچھیرا ہے

پلاؤ اور مطنجن قورمے سے انکو نفرت ہے — ڈبل روٹی اور آلو ہو تو دل کو شاد کرتے ہیں

انھیں نفرت نہ کیوں ہو باپ دادا کے مذہب سے — کہ ان کو تو یہ ہر دم فول کہکر یاد کرتے ہیں

یہی تہذیب ہے، تو ہمکو کچھ مطلب نہیں اُنسے — ہم اُن کی وضع پر بھی دور ہی سے صاد کرتے ہیں

وصل کی شب میرا آ گیا پر اگر ہو دستر میں — میں یہ سمجھوں آ گئی سونے کی چڑیا ہاتھ میں

وفا تخلص ہے نواب محمد عمر خاں صاحب بہادر خلف برق الدولہ بہادر رئیس اعظم حیدرآباد کا۔ آپ نہایت قابل اور مشہور نثر نویس ہیں چنانچہ عاشق ناشاد۔ ناصر حمید۔ گلزار وفا۔ وغیرہ ناول آپ کی تصنیف سے ہیں ایک نظم بعنوان۔ نئے تعلیم یافتوں کا فوٹو۔ آپ کی تصنیف سے نظر سے گزری۔ اگرچہ اس نظم کو کوئی ظریفانہ نظم کہنا غلطی ہے۔ مگر چونکہ اکثر جگہ بیان میں شوخی اور شگفتگی ہے اسی لئے اس کے بعض اشعار درج کرتا ہوں۔

عجب انداز سے کچھ آج ہم فریاد کرتے ہیں — نئی تعلیم والوں کی بیاں روداد کرتے ہیں
نئی تعلیم پا کر کالجوں سے جو نکلتے ہیں — صلاح قوم کی وہ ہر جگہ فریاد کرتے ہیں
بدل کر ٹھاٹ اپنا اسطرح گھر سے نکلتے ہیں — زمیں تک کانپتے ہیں بوٹ بھی فریاد کرتے ہیں
چرٹ منھ میں تو سر پر ترکی ٹوپی ہاتھ میں ہنٹر — چڑھا کر آنکھوں پر عینک نظر برباد کرتے ہیں
اگر رستہ میں ملجاتا ہے اگلی وضع کا کوئی — تو ہنسکر اولڈ فیشن کہہ کے اسکو یاد کرتے ہیں
کمر پر ہاتھ رکھکر جب کمیٹی میں کھڑے ہونگے — پکاریں گے کہ آؤ قوم کو ہم یاد کرتے ہیں
ترقی کر گئی ہیں غیر قومیں تم بھی اب جاگو — فصاحت سے بلاغت سے یہی ارشاد کرتے ہیں
یہ سب کچھ کہہ کے جب تقریر اپنی ختم کرتے ہیں — تو بھر جاتے ہیں میخانوں کو وہ آباد کرتے ہیں
پسند آتی نہیں ہے قوم کی صنعت انھیں کوئی — برانڈی اور چرٹ سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں
ڈرامے شکسپیر کے اٹھا کر دیکھ لیں سارے — کہ شاعری زمین شعر کو آباد کرتے ہیں
حضور آداب تسلیمات کہنے پر تو یہ خوش ہیں — اگر بابو کہے کوئی تو بس فریاد کرتے ہیں
بظاہر شاعروں کی ہجو میں مصروف ہیں لیکن — بھلا کیوں ناولوں سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں
نہ ہو جب تک چھری کانٹا یہ کھانا کھا نہیں سکتے — اگر چمچہ نہ ہو تو ہر گھڑی فریاد کرتے ہیں

حرف ہائے ہوز

ہاشمی گیارہویں صدی ہجری کا شاعر نصرتی کا معاصر ہے۔ مادرزاد نابینا تھا۔ مگر عقل و ذہانت اور طباعی میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا چنانچہ ۹۹ سنہ ہجری میں ایک مثنوی یوسف زلیخا کے نام سے لکھی جس سے اسکی ذہانت پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ زبان اردو کے شروع زمانے میں بھی یہ اسی طرح زبان پر قدرت رکھتے تھے جیسے کہ لوگ آج اسپر ناز کرتے ہیں۔ بہ لحاظ قدامت ریختی کا موجد انھیں کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ نمونہ کے طریقہ پر ان کے اشعار جو درج کیے گئے ہیں وہ میں بھی ذیل میں لکھتا ہوں ہاشمی نے ۱۱۰۹ھ میں انتقال کیا اور آخر تک برابر یہ رنگ کہتے رہے۔

اگر کوئی آ کے دیکھے گا تو دل ہی کیا کہے گا
مجھے بدنام کیا کرتے کہیں ہیں جا بدنگی چھوڑ دو

رضا گر مجھکو دیتے ہی کرونگی گھر میں جا دارد
اگر مجھ ہو دیگی فرصت صبح پھر آدنگی چھوڑ دو

ہائے وائے۔ تخلص تو خیر یہ کیا ہوگا۔ مگر اسی تخلص سے ایک منچلے شاعر نے اپنی طباعی اور ذہانت کے جوہر دکھلائے۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جس زمانہ میں داغ مرحوم کا انتقال ہوا ہے۔ اُس وقت خدا معلوم اڈیٹر مرحوم کی ذاتی اغراض سے یا اور کسی سبب سے اودھ پنچ میں ظریفانہ تاریخوں کا وہ طومار بندھا تھا کہ سننے والوں نے کانوں میں انگلیاں

دے لی تھیں - جذبات ظرافت میں ایک حشر ونشر کا عالم برپا تھا - جس کسی کو خبر ہوئی - سو ضروری کام چھوڑے مگر داغ کے لئے ایک ظریفانہ تاریخ ضرور لکھدی - اونہیں اکثر تہذیب کے درجہ سے بھی گر گئیں - مدتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا چونکہ داغ مرحوم ایک مسلم الثبوت - استاد اور ملک کے نامور شعراء میں سے تھے - اس لئے اکثر حضرات کو اپنا صحیح نام وتخلص تو لکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی - سمجھے تھے کہ داغ کے ایک دو شاگرد تو ہیں نہیں بے تعداد ہیں بے شمار ہیں - اگر ذرا بھی کسی کو معلوم ہو گیا تو آفت آجائے گی - اسی لئے عجیب وغریب تخلصوں کے ساتھ سب چیزیں لکھی جاتی تھیں چنانچہ ان صاحب نے اپنے لئے ہائے واے تخلص پسند کیا ہے - تاریخ میں امیر و داغ دونوں کو لیا ہے اور اودھ پنچ سابق مطبوعہ ۱۶ - مارچ ۱۹۰۵ء میں تھوڑی سی نثر کے ساتھ یہ تاریخ شائع کرائی ہے - ممکن ہے کہ اور بھی کچھ ظریفانہ کلام ہو - مگر مجھکو صرف یہی ملا - جو معہ نثر نقل کرتا ہوں -

حضرت سنئے یوں تو لوگ رونہی روتے ہیں لیکن بندہ درگاہ کا رونا کوئی ایسا ویسا معمولی محرم وحرم کی مناسبت سے نہیں - کیا معنی لوگ صرف دس دن محرم ہی میں سینہ کوبیاں کرکے روتے رلاتے سعادت دارین حاصل کرتے ہیں لیکن آپ جانئے ہمارے شہر میں سدا سہاگنوں میں بھی سال بھر تک محرم ہی محرم رہتا ہے اجنبی آدمی تو یہ جانتا ہے محرم ہے غم حسین میں لوگ بلک رہے ہوں گے مگر حقیقت حال معلوم ہونے پر اپنی حماقت ہی پر رونا آتا ہے - یعنی جس کو لوگ تابوت خیال کرتے ہیں وہ ہمارے شہر کا طاعونی مردہ ہوتا ہے - اور گھر والیوں کا رونا جو سوز و نوحہ سمجھا جاتا ہے صرف خدا واسطے کا رونا ہوتا ہے - علی ہذا القیاس یہاں کی حالت دیکھئے میرے نزدیک رونا ایک معمولی مشغلہ ہے - اسی وجہ سے بھلا اور موقع کا کیا ذکر اللہ بخشے مرنے والی کے نام پر بھی میں نے دو آنسو نہیں بہائے - ہاں خوب

یاد آیا - عمر بھر میں صرف ایک بار رویا ہوں اور وہ بھی غمی میں نہیں - بلکہ شادی میں - کب جب میں بنا تھا - بننے سے یہ نہ خیال فرمایئے گا بنا بنا تھا - بلکہ اور لوگوں نے بنایا تھا - الحمد للہ وہ بگڑ گئیں میں آدمی بن گیا - یا اس مرتبہ حضرت داغ کے مرنے کا قلق ہوا - لوگوں کی شرا شری دیکھا دیکھی میں بھی روتا ہوں - ہاں اور سنئے اگرچہ میں خاندانی شاعر نہیں اور نہ خدانخواستہ ملک کے مشہور شاعروں میں میرا شمار ہے - لیکن موزوں طبع ضرور ہوں اسوجہ سے ذرا نظم کہتے نوحہ پڑھتے ہوئے جھجکتا ہوں - اور پھر ایسے شہر میں جہاں کے تعیش اور خلقت کا یہ حال ہے دس دن محرم میں بھی شواہد پرستی سے باز نہیں رہتی بجائے غزل ٹھمری ٹپہ خیال کے غم حسین کے پردے مرثیوں کی اوٹ میں کھلم کھلا گانا سنتے سوز و ساز کے لطف چھیڑ چھاڑ کے مزے لوٹتی ہے - پس بندہ بھی قیود شاعری کو سلام کر کے نوحہ یا حضرت داغ کی وفات کا قطعہ تاریخ لکھتا اور خوب جی کھول کے روتا ہے - اور اگر روتے نہ بنے تو بقول شخصے ع ۔ تو گرفتار ہوں آتی نہیں فریاد مجھے -

روتا ہوں بھئی روتا ہوں

دے گئے داغ امیر و داغ ہائے امیر وائے داغ	دل کو ہو غم سے کیا فراغ ہائے امیر وائے داغ
کس کو غزل سنایئے داد کہاں سے پایئے	روئیے اور رولائیے ہائے امیر وائے داغ
کرتی ہیں رنڈیاں بھی بین چوک میں اک ہے شور و شین	غل ہے بجائے یاحسین ہائے امیر وائے داغ
کام ہے اپنے کام سے ورنہ غرض سلام سے	کہہ دے کوئی نظام سے ہائے امیر وائے داغ
وہ جو ہمیں ستائیں گے ہم بھی دکن ہی جائینگے	مر کے تو نام پائیں گے ہائے امیر وائے داغ
ہائے مجھے ملال ہے رنج و الم کمال ہے	غم سے بُرا یہ حال ہے ہائے امیر وائے داغ
بسکہ مرض تھا لادوا ہونا تھا جو وہی ہوا	دابا اجل نے ٹینٹوا ہائے امیر وائے داغ

اب نہ وہ روئداد ہے اور نہ غزل ہی یاد ہے
رنج یہ مستزاد ہے ہائے امیرؔ وائے داغؔ

غم سے جو آپ میں آئے سال وفات کیا سنائے
کہتا ہے دل کہ ہائے ہائے ہائے امیرؔ وائے داغؔ

داغ صاحب مر گئے شرم و حضوری رہ گئی
کیا کہوں اک حسرت عرض ضروری رہ گئی

میرے دل سے پوچھئے صدمے ہیں کیا کیا جان پر
مارے غم کے زندگی اپنی ادھوری رہ گئی

یہ خبر سنکر کوئی گھر سے ہمارے چل دیا
میرے ذمہ اُن کی باقی کچھ مزدوری رہ گئی

مجھسے گھبرا کے کہی ہاتف نے جلدی سے یہ بات
سال تاریخ مسیحی سے جو دوری رہ گئی

پر کتر کے لے گئے داغ اور از روئے قلق
شاعری ہندوستان میں ابتری رہ گئی

ہجرؔ آپ کا نام پنڈت تربھون ناتھ والد کا نام پنڈت بشمبر ناتھ صاحب سپرد تخلص صابر تھا حضرت ہجر ۱۸۵۳ء میں تحصیل چنیا میں پیدا ہوئے۔ مگر زیادہ تر سکونت فیض آباد میں رہی۔ علوم مشرقی زمانہ کے دستور کے مطابق مکتب میں پڑھے پر پھر متعدد جگہ انگریزی علم کی تحصیل کر کے کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف۔ اے تک تعلیم پائی مگر چونکہ امتحان میں پاس نہ ہوئے اس لئے دل ٹوٹ گیا۔ اور تعلیم کے سلسلہ کو ختم کر دیا۔ بعدہ تلاش معاش اودھ کے مختلف اضلاع میں گھوم کر گونڈہ میں مستقل سکونت کا قصد کیا تھا اور دو برس تک وہاں مسلسل رہے بھی۔ مگر گردش تقدیر سے زانو کا درد پیدا ہوا اُسنے مدتوں پریشانی کا سلسلہ اور علالت کا تسلسل قائم رکھا تا اینکہ اسی کے علاج کے لئے فیض آباد آئے۔ آخر کار یہیں چھ ماہ بیمار رہ کر بعمر ۳۹ سال ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا۔

بقول منشی سجاد حسین مرحوم سابق اڈیٹر اودھ پنچ اس اخبار کے سب سے پہلے قدردان اور خریدار ہجر تھے۔ ایک سال تک مختلف بحثوں پر آپ کے مضامین اودھ پنچ

میں شایع ہوتے رہے۔ نہ صرف اودھ پنچ بلکہ ملک کے مشہور مشہور اخبارات و رسائل میں
آپ کے نہایت معرکۃ الآرا مضامین شائع ہوئے اور پبلک نے مخصوص قدردانی
کے ساتھ ان کو پڑھا۔

جیسے کہ آپ ایک کامل نثار تھے اسی صورت سے آپ کو شعرگوئی کا
شوق تھا۔ حضرت قدر بلگرامی کے شاگرد تھے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں
میں فکر شعر کرتے تھے اور دونوں میں نہایت اچھے شعر نکالتے تھے۔ مگر زیادہ تر
میلان طبع ظرافت کی طرف تھا۔ اسی سبب سے اکثر متین اشعار میں بھی یہ
رنگ ظاہر ہو جاتا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ آپ نے اپنے کلام کو کبھی جمع نہیں کیا
یہی سبب ہے کہ اب مشکل سے چند شعر دستیاب ہو سکے جو درج ذیل ہیں۔

مرے ساقی چانڈو کا چھینٹا پلا　　کہ ہستم اسیر کمند ہوا
مزا کرکرا ہو گیا دے چرس　　ندارم غیر از تو فریادرس
خوش از چانڈو بازی دگر کار نیست　　دریں گرم تر ہیچ بازار نیست
مدک چوں مس قلب را کیمیاست　　کہ افیوں ہمہ درد ہا را دواست
جو تو چانڈو بازی کرے اختیار　　شود خلق دنیا ترا دوستدار
یہ افیونیوں کی کمر خم نہیں　　نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں
کمر خم ہوئی۔ رہگیا مغز و پوست　　تواضع ز گردن فرازاں نکوست
مدک کش لگائے اگر دم سنبھل　　زند سوز او شعلہ در آب و گل
ادھر لاؤ حقہ لگاؤ نہ دم　　کہ ناگہ شود سر بسر کالعدم
جو افیوں پئے۔ ہے وہی آدمی　　نہ زیبد نہ مردم بجز مردمی
میاں ہجر پینک میں آٹھوں پہر　　بغفلت مبر عمر در دے بسر

ہجر مرحوم نے ایک مرتبہ ایک۔ قومی نفاق کے موقع پر ایک صاحب

کی شان میں حالی کے مسدس کے طریق پر جو ایک نظم لکھی تھی اُسنے خصوصیت کے ساتھ
شرف قبول حاصل کیا۔ جسکے چند بند تفنن طبع کے طور پر۔ ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں

سنبھل قومی اعزاز کے کھونے والے   زمانے میں تخم حسد بونے والے
جہالت کے چشمے سے منہ دہونے والے   خبردار او بے خبر سونے والے
گھٹا کی طرح چھا رہی ہے تباہی
تری قوم پر آ رہی ہے تباہی

عداوت کے شعلے بھڑکانے والے   جہالت کی زنجیر کھڑکانے والے
دلوں کو ضعیفوں کے دھڑکانے والے   نیا روز اک جوڑ بھڑکانے والے
یہ کیا نت نئی شعبدہ بازیاں ہیں
یہ کیا قوم میں رخنہ اندازیاں ہیں

اگر لکھنؤ میں تمھیں با خدا تھے   بڑے نیک طینت بڑے پارسا تھے
اگر قوم میں تم ہی دہرم آتما تھے   بڑے پاک باطن بڑے پارسا تھے
تو بہتر تھا گھر بار سب تیاگ دیتے
چلے جاتے کاشی میں سنیاس لیتے

یہ ذاتی تشخص یہ نخوت کہاں تک   یہ پندار یہ عجب و نخوت کہاں تک
یگانوں سے اپنے یہ نخوت کہاں تک   یہ بیٹھے لڑانے کی عادت کہاں تک
ذرا کھول کر کان سُن اس سخن کو
ہے در پیش چہ آخرش چاہ کن کو

ہدایت خواجہ ہدایت اللہ کے عرف سے مشہور تھے ممکن ہے کہ یہی نام
بھی ہو۔ شاہ طہماسپ اور شاہ عباس ماضی کے اصطبل خانے کے داروغہ تھے

شعر و شاعری میں شہر بھر میں مشہور تھے۔ شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ کے کانوں تک پہونچی پوچھا کہ کیوں ہدایت تم شعر کہتے ہو۔ انہوں نے اقرار کیا۔ جہاں پناہ نے کہا کہ اگر شاعر ہو تو سکندر نامہ نظامی کے وزن پر کم سے کم پانچ سات شعر بے معنی کہکر ہمکو سناؤ۔ انہوں نے کہا کہ حضور پانچ سات شعر کیا معنی اگر حکم دیجئے تو خمسۂ نظامی کے جواب میں ایک بے معنی خمسہ کہدوں۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگرچہ مشکل ہے مگر حضور کے اقبال سے غلام آسانی کے ساتھ اس فرض کو ادا کر سکتا ہے حضور انعام مقرر فرمائیں۔ بادشاہ نے ہر بیت کے صلہ میں ایک عباسی دینے کا وعدہ فرمایا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی شرط کر لی کہ اگر کوئی شعر بامعنی خمسہ بھر میں نکل آئیگا۔ تو ہر شعر کے عوض آپ کا ایک دانت توڑ دیا جاے گا۔ ہدایت نے اقرار کر لیا اور اسکے بعد قلیل عرصہ میں ایک خمسہ مہملہ کہکر نذر گزرانا۔ تمام خمسہ میں تین شعر بامعنی نکلے اُسکے بدلہ میں وعید کے موافق تین دانت اکھڑوا دئے گئے۔ اور بقیہ اشعار کے صلہ میں وعدہ عطاے یک عباسی فی شعر پورا کر دیا۔ چنانچہ اُس کے سکندر نامۂ مہمل کے تین شعر یہ ہیں۔

اگر عاقلی بخیہ بر مو مزن ۔ بجز پینہ بر نعل آہو مزن

بر غم ملک ترکتازی مکن ۔ با آہنگ ماہیچ بازی مکن

گر نعل از تبسم مربا شود ۔ بصبر آسیا کہنہ حلوا شود

نمونہ ہفت پیکر مہمل

شاش بر دعاے گوز مکن ۔ رخنہ در ہر جوال دوز مکن

دم بخر طوم زندہ پیل مزن ۔ سائباں بر سر خلیل مزن

—— ❊ ——

نمونہ شیریں خسرو مہمل

منہ چوں میل سر در پائے خشخاش	مکن چوں سرمہ دانی جائے نقاش
بیاباں وقت گل دروازہ دارد	کلید بوریا آوازہ دارد
نہ تنہا دوستی در کاہداں است	کہ ایں ناداں جائے عاشقاں است

ہُدہُد ان کا نام عبدالرحمٰن تھا - اور پورب وطن - مگر جس زمانہ میں دلی کی شاعری عروج پر تھی اور باکمالوں کا مجمع اس کے وقار وعزت کا ضامن ہو گیا تھا اسی زمانہ میں کسی خاص وجہ سے یہ اپنا اصلی وطن ترک کرکے دلی چلے آئے تھے اور کہیں حکیم آغا جان عیش کے مکان کے قریب آکر رہے - اس زمانہ میں معلمی بڑا چلتا دھندا تھا - کچھ لڑکے لئے اور پڑھانے بیٹھ گئے - پڑھاتے رہے - مگر اسی طرح جیسے پہلے لوگ پڑھایا کرتے تھے - اتفاق وقت سمجھئے یا شامت اعمال کہئے ایک روز کسی لڑکے کو مولانا نظامی کی مشہور تصنیف سکندر نامہ کا سبق پڑھا رہے تھے - اُدھر سے حکیم آغا جان عیش گزرے چلتے چلتے کان میں اُن معانی اور مطلب کی بھنک پڑ گئی جو میاں جی اپنے ہونہار شاگرد کو بتا رہے تھے - حکیم صاحب تو خود زعفران زار تھے سنتے ہی ٹھہر گئے - پھر تو کھڑے ہو کر پورا سبق سنا - سبحان اللہ سبحان اللہ ذہانت کے عجائب خانہ کا منظر سامنے آگیا - جو مطلب سنا عجیب وغریب - جو معنی کان تک پہونچے انوکھے - اب کیا تھا - سامان تفریح یا روحانی غذا ہاتھ آگئی چپکے سے ہاتھ کا اشارہ کرکے ایک لڑکے کو الگ بلایا اور تاکید کرکے کہدیا کہ آج اپنے مولوی صاحب سے ہمارا سلام کہنا اور کہدینا کہ آپ سے کچھ ضروری کام ہے بلایا ہے - یہ کہکر چلے گئے - اُدھر لڑکے نے حکیم صاحب کے الفاظ آموختہ کی طرح مولوی صاحب

کو سنا دیئے دوسرے روز حکیم صاحب سے ملنے کے لیئے گئے۔ حکیم صاحب نے باتوں باتوں میں لیاقت علمی کا حال معلوم کیا تو ڈھول میں پول نکلے۔ پس پھر کیا تھا۔ ابتو ایک چیز ہاتھ لگ گئی۔ حکیم صاحب نے پھر پوچھا کہ کیوں بھلا جناب کو کچھ شعر و شاعری کا بھی ذوق ہے یا نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کیا مشکل ہے نہیں ہے تو اب ہو سکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اچھا آپ غزل کہئے تو آپ کو مشاعرہ لے چلیں۔ انھوں نے مشاعرہ کی صورت پوچھی۔ حکیم صاحب نے وہ صورت بھی کھینچ کر دکھائی دوسرے ہی دن یہ حکیم صاحب کے تعمیل ارشاد کے لیئے ایک کھٹے کا کھرا غزل کہہ لائے۔ مولوی صاحب کی کہی ہوئی غزل حکیم صاحب کے لیئے کشت زعفران تھی انہیں کچھ اپنا تصرف کرکے بالکل دیوار قہقہہ بنادی۔ آئے دن مشاعرے ہوا ہی کرتے تھے۔ کسی مشاعرے میں اپنے ساتھ لے گئے۔ مولوی صاحب کا ہدہد تخلص قرار دیا گیا۔ مگر مشاعرے کے روز ان کی جو وضع تھی۔ یعنی نوکدار ڈاڑھی۔ گھٹا ہوا سر۔ آسپر عمامہ۔ بالکل کھٹک بڑھیا معلوم ہوتے تھے۔ حکیم صاحب تو ظرافت کے نباض تھے کہنے لگے کہ مولوی صاحب کوئی ظریفانہ تخلص رکھیئے انھوں نے جواب دیا کہ تجویز کردیجئے۔ انھوں نے وضع قطع کے موافق ہدہد تجویز کردیا۔ انھوں نے منظور فرمالیا۔ انھوں نے مشاعرے میں ان کی پوری پوری تعریف کرکے موجودہ تخلص کا اظہار کردیا۔ ظریفوں کی خصوصاً اور سامعین کی نظریں عموماً ادھر متوجہ ہوگئیں۔ جب غزل پڑھی تو وہ چل پوں مچی کہ حکیم صاحب کیا۔ مولوی صاحب تک خوش ہوگئے۔ اور مشاعرہ کی واہ واہ سبحان اللہ نے وہ منظر دکھایا کہ عمر بھر نہ دیکھا تھا چند روز کے بعد حکیم صاحب کو ایک اور مذاق سوجھا۔ بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہلایا اور انہیں دربار میں لے پہونچے۔ اور جہاں پناہ کے سامنے وہ قصیدہ پڑھوایا۔ جس میں کے چند شعر یہ ہیں۔

جو تیری مدح میں میں چونچ اپنی وا کر دوں | تو رشک باغ ارم اپنا گھونسلا کر دوں
جو آکے زیر کرے میرے آگے موسیقار | تو ایسے کان مروڑوں کہ بے سرا کر دوں
جو سرکشی کرے آگے مرے ہما آکر | تو اُسکے نوچ کے پر شکل نیولا کر دوں
میں کھانے والا ہوں نعمت کا اور تیرے لئے | فلک کہے ہے مقدر ہیں باجرا کر دوں

بادشاہ سلامت نے قصیدہ بڑے غور سے سنا۔ مشکل سے اس سے پہلے کوئی ایسی مدح سنی ہوگی۔ باغ باغ ہوگئے۔ اور فوراً طائر الاراکین۔ شہپر الملک۔ ہدہد الشعرا منقار جنگ بہادر خطاب دیا اور سات روپیہ ماہوار چگے کے لئے مقرر کر دیئے۔ پھر تو ہدہد کے چند روز میں اور ہی ٹھاٹ ہوگئے۔

ایک دفعہ برسات زیادہ ہوئی۔ مکانات گرے۔ حویلیاں تباہ ہوئیں انھیں میں میاں ہدہد کا بھی مکان نذر سیلاب ہوگیا۔ انھوں نے حکیمصاحب سے کہا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ شہر میں سیکڑوں مکان پڑے ہیں کیا ان میں سے ہدہد کے گھونسلے کو کوئی جگہ نہ ملے گی دیکھو کوئی بند وبست کئے دیتے ہیں جھٹ پٹ ایک عرضی نظم کردی۔ پوری درخواست اب کہاں ملتی ہے بعض شعر یہ ہیں۔

جز تیرے شاہنشا کہ کسکے آگے روئے | کس سے جاکے کہئے یہ غم کو ہمارے کھوئے
تجھکو ہے حق نے کیا ملک سخن کا شہسوار | ہیں بجا کرنے سمند طبع کے یہاں پو لئے
حیف آتا ہے کہ فن شعر میں کیوں کھوے عمر | کاشکے ہم سیکھتے اس سے بنانے بو لئے
سنگلاخ ایسی زمیں ہر دیکھا دل تا کچا | فکر کیجئے صرف آہیں اور پتھر ڈھوئیے
رشتۂ عمر شہنشاہ جہاں ہووے دراز | یا خدا کھلتے رہیں جبتک جہاں میں ہوئیے
دیدے اسکو بھی زمیں تھوڑی کہ بن گر گھونسلے | مارتا پھرتا ہے ہدہد ہے ٹاپک ٹوئیے

ایک دفعہ تنخواہ کے لئے دیر ہوگئی۔ انھوں نے ایک درخواست نظم کر کے نذر گزرانی

اب درخواست کا پتہ نہیں۔ مگر نتیجہ معلوم ہے کہ تنخواہ مل ضرور گئی۔
راجہ دیبی سنگھ خانسامانی کی خدمت پر مامور ہوئے تو مبارکباد کے طریق پر یہ
شعر لکھے۔

جہاں میں آج دیبی سنگھ تو راجوں کا راجہ ہے — خدا کا فضل ہے جو تلوہ میں تو آپ راجا ہی
سلیماں نے ہی ترے ہاتھ میں دی رزق کی کنجی — تو سرداروں کا سردار اور مہاراجوں کا رجا ہی
شکم اہل جہاں کے سب ہیں شکرانے بجا لاتے — دمامہ تیرا جا کر گنبد گردونیہ باجا ہی
کسی کو دے نہ دے تنخواہ تو مختار ہے اسکا — مگر ہدہد کو دیدے کیوں یہی ہدہد کا لکھا جاہی

حکیم صاحب ہمیشہ ہدہد کے لئے ظرافت کا سرچشمہ کھود کھود کر مضامین کے دریا
بہاتے رہتے تھے اور ہدہد کے مذاق سخن کو سیراب کر دیتے تھے۔ بعض شعر یہ ہیں۔

ہدہد کا مذاق ہے نرالا سب سے — انداز ہے اک نیا نکالا سب سے
سردفتر لشکر سلیماں ہے یہ — اڑتا ہے سخن میں بالا بالا سب سے

راست آئینوں کو نفرت ہے کج آئینوں سے — تیر نکلا جو کماں سے تو گریزاں نکلا
آشیاں سے جو غزل پڑھنے کو ہدہد آیا — غل پڑا پیش رو ملک سلیماں نکلا

حکیم صاحب نے ساتھ ہی ساتھ ایک اور دلگی کی۔ غزل میں دو ایک شعر
ایسے بھی رکھدیتے تھے جنہیں معاصرین پر چوٹیں ہوا کرتی تھیں۔ مثلاً جب غالب پہ
چوٹیں کیجاتیں تو ہدہد سر مشاعرہ کہتے کہ یہ غزل مرزا غالب کے رنگ میں ہے پوری
غزل پڑھ جاتے نہایت چست بندش اور رنگین الفاظ ہوتے۔ مگر معنی ندارد۔ بعض
شعر یہ ہیں۔

مرکز محور گردوں بہ لب آب نہیں
ناخن قوس قزح شبہہ مضراب نہیں

غالب مرحوم خود ایک ظریف اور دریا دل آدمی تھے اُن پر اِن باتوں کا کیا اثر ہوتا۔ ہنستے اور ٹال دیتے۔ مگر اور لوگوں نے ہدہد کے جواب کے لئے ایک شخص کا تخلص باز رکھا۔ اور مشاعرے میں لائے۔ باز نے اپنی بازی دکھائی اور مشاعرہ کو بازی گاہ بنادیا۔ مگر۔ قبول خاطر لطف سخن خداداد ست۔ بیچارے باز کے شعروں میں سے ایک شعر بھی مشہور نہ ہوا۔ اور میاں ہُدہُد نے جو اُسکے جواب میں غزل کہی اس کے کئی شعر اب بھی لوگوں کے نوک زبان ہیں۔

جسے کہتے ہیں ہدہد وہ تو نر تیرو نکا دادا ہے
مقابل تیرے کیا ہو تو تو اک جرہ کی مادہ ہے

گر اب کے باز زری میدانمیں آئی سامنے میرے
تو دم ہیں یا پر نہ چھوڑوں گا یہی میرا ارادہ ہے

مقرر باز جو اپنا تخلص ہے کیا تو نے
ہوا معلوم یہ اس سے کہ گھر تیرا کشادہ ہے

ادب اے بے ادب ابتک نہیں تجھکو خبر اسکی
کہ ہدہد سب جہاں کے طائروں کا پیرزادہ ہے

جب دو دو چونچیں ہوگئیں تو چند روز میں باز اڑنچھو ہوگیا۔ اور ہدہد نے بالا جیت لیا۔ مگر یار لوگ فکر میں لگے ہوئے تھے انھوں نے ہدہد کے مقابلہ کو ایک کالا بھجنگا تیار کیا اور زاغ تخلص رکھا۔ ہدہد نے اسکی بھی خبر لی چند روز میں وہ بھی فقرو ہو گیا اُسی زاغ کے لئے انھوں نے یہ شعر لکھے تھے۔

جون آیا ہے عدو اسکے بدل کوے کی
اسکی ہے پانوں سے تا سر وہی خو کوے کی

وہی کاں کاں وہی کیں کیں وہی ٹیں ٹیں اسکی
بات چھوڑی نہیں ہاں اک سرمو کوے کی

پہلے جانا تھا یہی سب نے کہ کوا ہوگا
پھر جو معلوم کیا ہے یہ بہو کوے کی

بن کے کوا جو یہ آیا ہے تو اے ہدہد شاہ
دم کتر دینے کو کچھ کم نہیں لو کوے کی

غرض کہ باری باری سے جو جو جانور ہدہد کے مقابل ہوتے گئے اس نے مارے چونچوں کے سب کا بھرکس نکال دیا۔ اور آخر وقت تک بادشاہ کے یہاں سے وہی اذوقہ جاری رہا۔ جو ایک دفعہ جاری ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ ادھر اُدھر سے بھی کچھ نہ کچھ مل رہتا تھا۔

ہر حسینہ۔ عبدالکریم نام ہے مارہرہ ضلع ایٹہ کے رہنے والے ہیں۔ زمانہ حال کے خوش فکر ظریف شعرا میں ہیں مگر افسوس کہ کلام زیادہ نہ مل سکا صرف ایک شعر ہدیہ ناظرین کر سکتا ہوں۔

ہم جو کم ہے عیاش فیض تنگدستی ہے ورنہ... واسے تیری کوئی ہستی ہے

خواجہ محمد شریف نام تھا۔ مرزا غیاث بیگ کے باپ اور نور جہاں بیگم انیسہ جہانگیر بادشاہ کے دادا تھے نہایت ظریف خندہ پیشانی بذلہ سنج لطیفہ گو تھے۔ شاہ طہماسپ ماضی کے زمانہ میں زندہ و سلامت موجود تھے ایک ضخیم دیوان ان سے یادگار رہے۔ مگر نایاب ہے اسی لئے ان کی ظرافت کے پورے پورے نمونے نہیں دیئے جا سکتے صرف ایک قطعہ نمونتاً درج کیا جاتا ہے۔ جو اس وجہ سے کہا گیا تھا کہ ایک مرتبہ سلامی اور کلامی نے جو دونوں بھائی تھے اور مشہور شاعروں میں گنے جاتے تھے خواجہ مذکور کی تعریف میں بامید انعام ایک قصیدہ کہا۔ خواجہ نے انعام دیا اور یہ قطعہ نظم کر کے ان کو سنا دیا۔

دو چیز ست بدتر ز تیر حرامی سلام سلامی کلام کلامی

باوجود تلاش کے مجھے ان کا نام و مقام معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ ایک مجموعہ ہزلیات میں ایک غزل ظریفانہ رنگ کی دستیاب ہوئی۔ مگر افسوس ہے کہ

فواحش سے سرتاپا لبریز ہے۔ اس لئے صرف دو تین شعر صاف لکھتا ہوں۔

جتنے ہیں اسرار ہو جائیں گے تجھ پر منکشف — اے منجم جب فنا فی .... تو ہو جائیگا
خوش گپی میں دل لگی یوں ہی اگر ہوتی رہی — اے ہزل کامل غزل گوئی میں تو ہو جائیگا

میم صاحب نے نہا کر جو بنائے گیسو
جرم سنگین تھا باندھے گئے زنجیر میں ہاتھ

حرف یا

یار - محمد رفیق تخلص ہے اصلی وطن ضلع پرتاب گڈھ میں ہے - مگر چونکہ
بہ سلسلۂ ملازمت ان کے والد کا قیام لکھنؤ ہی میں رہا - اسی وجہ سے اوائل
عمر سے یہیں رہتے رہے - اب دو تین برس ہوئے کہ ان کے والد کا انتقال بھی
ہو گیا مگر اس شہر کی دامنگیر خاک نے وطن جانے کی تب بھی اجازت نہ دی
اب بھی یہیں محلہ حسین گنج میں رہتے ہیں اور مری کمپنی میں ملازم ہیں
شعر و شاعری کا مدتوں سے شوق ہے - ہشیار تخلص ہے اور راقم تذکرہ
کو اپنی غزلیں دکھاتے ہیں - کبھی کبھی ظرافت بھی کہتے ہیں اُسوقت یار تخلص
کرتے ہیں - نہایت نیک طینت سلیم المزاج پابند صوم و صلوٰۃ متشرع ہیں
اب تقریباً ۲۸ برس کی عمر ہوگی - چند شعر رنگ ظریفانہ درج کرتا ہوں -

جوان کو چکھتا ہے کہتا ہے انکو وہ شیریں — لبوں میں آپکے شکر کا کارخانہ ہے
نگل کے چھوڑینگے مجھکو وہ ایکدن اے یار — میں دُبلا پتلا ہوں اُن کا بڑا دہانہ ہے

ادا و سن کی دونالی سے وہ سبکو قتل کرتے ہیں — نہ چوکیدار کا غم ہے نہ تھانیدار کا ڈر ہے
نتیجہ کیا ہے آخر محتسب اس لاٹھی ٹھینگے سے — مرے حصہ میں بھبٹ ہے ترے حصہ میں کوٹھہ ہے
ملا ہے جان دیکر بوسہ اُن کے لال گالوں کا — بہت میٹھا سہی لیکن بڑا مہنگا چقندر ہے
اٹھا کر لیگیا آئینہ اُن کے قصر عالی سے — یہ اب بندر نہیں اپنے نصیبے کا سکندر ہے

ہم نے الفت کا حسینوں کی نتیجا دیکھا
موت کی دھار میں بہتا ہوا ایسا دیکھا
ناز دیکھا ترا نخرا ترا اٹھا دیکھا
کیا کہیں ہم کہ شب وصل میں کیا کیا دیکھا

بس یہی طائر دل کی ہے نشانی اے یار
ہجر کی شب جو رہے ڈھونڈھ یہ الو ہو کر

خانہ بدوش اُسے کہتے ہیں اے زلف دوتا
اپنے کندھے پہ اٹھاتا ہے جو چھپر اپنا
بڑی آوارہ ہے یہ دختر رز بھی اے یار
ڈھونڈھکر چھوڑتی ہے آپ یہ شوہر اپنا

لیلی کی اماں نے یہ مجنوں کے ابا سے کہا
آپ سمجھا لیجئے گا اپنے برخوردار کو
یہ حسینانِ جہاں ہیں مالکانِ نقد دل
انسے بیشک ٹیکس لینا چاہیے سرکار کو

یاسمن - ایک شاعرہ تھی جسکا نام چنبیلی تھا - یاسمن نام کی مناسبت سے تخلص اختیار کیا تھا - سید انشا کی کنیز تھی - جوان العمر تھی - مگر مرد کی صحبت سے اس قدر متنفر تھی کہ اُس کی طرف کبھی رخ بھی نہ کرتی تھی - مگر سید انشا نے بموجب اتباع شریعت اسکا نکاح کر دیا تھا - حالانکہ جس شخص سے نکاح ہوا تھا وہ شخص نہایت معقول اور معقولیت پسند تھا - مگر چونکہ چنبیلی بالطبع مرد کی صحبت سے متنفر تھی اس لئے اس کی صحبت راس نہ آئی [illegible] نکاح کے تیسرے روز بغیر کسی عارضہ کے فوت ہو گئی - اس عورت کی طبع موزوں تھی اور عاشقانہ شاعری کے علاوہ کبھی کبھی ظرافت بھی کہتی [illegible] چنانچہ اس کا ایک شعر مل سکا -

دختر رز سے رات صحبت تھی
شیخ جی کا مگر وضو نہ گیا

Mohammed Abdullah

۴۸۰

یل - عبدالقادر نام تھا - دہلی کا رہنے والا - اور وہاں کے نہایت
مشہور و معروف پہلوانوں میں تھا ایک مرتبہ اپنی پہلوانی کے غرور میں کسی شخص
سے لڑا - اگرچہ وہ شخص زور میں اس سے زیادہ نہ تھا مگر چونکہ فن کشتی سے اچھی
طرح واقف تھا اسی لئے اسپر غالب آیا - اس معرکہ میں پچھڑنے کے بعد اس
ایسی غیرت کا غلبہ ہوا کہ شہر چھوڑ کر نکل گیا اور پھر کبھی عمر بھر دلی میں نہ آیا - شعر
و شاعری سے بھی شوق تھا اور بہ سبب کم علمی کے اکثر ظریفانہ شعر کہتا تھا - چند
شعر یہ ہیں -

کہدو رقیب سے کہ وہ باز آئے جنگ سے — ہرگز نہیں ہے یار بھی کم اس دبنگ سے

پھرتے ہو یل بنے ہوئے تم کچھ دبنگ سے — مطلب نہ نام سے ہی غرض ہے نہ ننگ سے

لب کا بڑھا دیا ہے مزا خط سبز نے — ساقی نے پشت دی مے صافی کو بنگ سے

دو چار صورتیں کہیں آتی ہیں گر نظر — واں ہم بھی جا دھکتے ہیں دلگی امنگ سے

آجائیو نہ پیچ میں ظالم کے دیکھنا — یاری تو تم نے کی ہے یل اس شوخ و شنگ سے